

افاداتِ حضرت شاہ ولی اللہ

ماخوذ از حُجَّتِ اللہِ الْبَالِغِہ

مکتبہ

HECKEL
Date.....
.....

امام ولی اللہ اکیڈمی خضر منزل تاج پورہ لاہور

قیمت دس ایک روپیہ آٹھ آنے



حصہ اول ۱۲

Title - IFADDAAT-E-HAZIRAT SHAH WALI ULLAH DEHLEVI

Author - Muattilat Sultan walidha Jadhavi

Publisher - Idaraa-e-Ilm ul Uloom Academy (Lahore)

Date - 1994

Pages - 144

Index -

پہلے

- ۹۔ چوتھی صدی ہجری کا فقہی و مذہبی انقلاب
- ۲۱۔ اختلافی مسائل اور ان کا نقطہ عدل
- ۶۱۔ اسلام کا فلسفہ عمران
- اسلامی قانونِ سعادت اس کی روح
- ۸۱۔ اور اس کے اصول



مطبوعہ اتحاد پریس، نئی روڈ، لاہور

شائع کردہ سید محمد شاہ ایم اے بہترم امام دولہا شاکسیدنی
ظفر منزل تاج پورہ لاہور

پہلے جلد جن مسکندہ ایک ہزار



ECHED-2004

۱۷

پیش لفظ

حضرت سلطان حسین علیہ السلام نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی
جہالتِ شان، اُن کے تبحرِ علمی اور فن کی قانداغِ عظمت کا صحیح احساس
کیا ہے۔ شاہ ولی اللہ، عالمگیر اورنگ زیب رحمت اللہ علیہ کے زمانے
میں ہوئے ہیں۔ یعنی علوم اور تصوفِ پشتوں سے آپ کے خاندان
میں موجود تھا۔ آپ کے والد بزرگوار حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب
ایک بہت بڑے صوفی اور دینی عالم تھے۔ شاہ صاحب نے
اپنی خدا داد ذہانت اور انتہائی محنت و کاوش سے قرآن و
حدیث کے فرائض و نکات کے معلوم کرنے میں اپنی تمام عمر
صرف کر دی تھی۔ اور اس کاوش اور جدوجہد کے نتیجہ کو کئی ایک
تصانیف میں قلمبند کیا ہے۔ آپ کی چھوٹی بڑی تمام تصانیف ستر
سے بجا وز ہیں۔ میرے نزدیک آپ کی بڑی بڑی کتب مسند

(۱) فتح الرحمن فارسی ترجمہ قرآن مجید جاپ نے شائع
 یہی شروع کر کے شائع میں مکمل کر لیا تھا۔

(۲) حجة الله للبغداد۔ اس کتاب کا موضوع حکمت

دین ہے۔ یہ کتاب عربی زبان میں ہے اور موضوع بحث کے
 لحاظ سے بھی نامی شکل کتاب ہے۔ اس کتاب کی جلالت
 شان سے اب عربی دنیا خوب اچھی طرح واقف ہو گئی ہے
 حتیٰ کہ ان دنوں مسلمانوں کی سب سے بڑی عربی پریورسٹی
 مائزہ پر کے نصاب میں درج ہے۔

(۳) ازالة الخفا عن خلافت الخلفاء۔ یہ کتاب

در اصل اسلام کے ابتدائی پچاس سالوں کی سیاسی تاریخ
 ہے اور اس موضوع پر آخری حرف ہے۔ بہت ضخیم ہے۔
 اور فارسی زبان میں ہے۔

یوں تو مولانا عبید اللہ صاحب سندھی حضرت مرثا کی جملہ
 تصانیف کے حافظ اور عالم ہیں مگر حضرت اللہ رب العالمین کو آپ بہت ہی زیادہ
 اہمیت دیتے ہیں کیونکہ یہ کتاب حکمت دین سے متعلق ہے۔ اور اس

زمانے میں ایک موضوع ہے جس سے مسلمان بالتحقیق ناواقف نہیں۔
مولانا کی خواہش ہے کہ مسلمان اس کتاب کو زیادہ سے زیادہ اپنے
مطالعہ میں رکھیں اور دین کی حکمت سے واقف ہو کر اصلی مسلمان
ہونے کی کوشش کریں کیونکہ دین و دنیا کی جملہ باتیں انہیں تمام درج
ہی سے حاصل ہو سکتی ہیں۔

جز اشرف الہ کا اردو ترجمہ ہو چکا ہے اور ملتا ہے مگر یہ خوب بات

و کتابت کے محاسن سے آراستہ نہیں ضرورت ہے۔ کہ اس
کتاب کا ایک نسخہ یا ترجمہ طبع کر لیا جائے جو کتابت و طباعت کے
محاسن کے ساتھ ساتھ آسان اردو زبان میں مطلب کو ذہن نشین
کرا سکے۔ چونکہ یہ ایک بہت ضخیم کتاب ہے اور یہ کام کافی دیر
لے گا۔ لہذا میر دست یہ مناسب سمجھا گیا کہ اس کتاب کے اہم
ابواب کا خلاصہ پیش کیا جائے۔ خوش قسمتی سے ہمارے دوست مولانا
ممد الدین صاحب اصلاحی نے جو مدرسۃ الاسلام سرسائے میر
ضلع اعظم گڑھ کے فارغ التحصیل ہیں اور مولانا سید ابوالاعلیٰ
مودودی کے رسالہ ترجمان القرآن میں بطور مددگار کام
کر چکے ہیں اس کام کو سرانجام دے دیا۔ یہ مضمین دراصل
انہوں نے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی المحترم کے ایما پر

ترجمان القرآن کے لئے لکھے تھے اور مولانا موصوف کی نظر ثانی کے بعد ترجمان القرآن میں چھپے تھے۔ اس پر یہ کتاب شکل میں شائع کر دیے گئے ہیں۔ مجھے اس پر واٹن ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ کے کام کا کچھ اندازہ اس کتابچے سے قارئین کرام کو ہو جائے گا اور وہ شاہ صاحب کے علمی نیریز سے زیادہ زیادہ فیض حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ ویا توفیق اقا باللہ العلیٰ العظیم۔

مخدوم شاہ

بکری، آقبال
بکری

چوتھی صدی ہجری کا فقہی و مذہبی انقلاب

جو قحی مدی ہجری سے قبل کسی خاص امام کی تقلید کا خیال برائے عام
 کو متاثر نہ کر سکا تھا ابوطالب کی قوت القلوب میں فرماتے ہیں :-
 "اگر کسی نے تعذیب کو جس کی چیز میں ہے، یہی اور دوسری صدی میں
 لوگوں کے اقوال جت نہیں ہر کرتے تھے وہ مذہب کا وہ تھا کہ خصوصیت
 کے ساتھ کسی ایک ہی شخص کے مذہب پر رونے دیا جائے، اسی کی زیور
 سے مسترد کیا جائے اور ہر مسئلہ مسئلہ میں اس کا قول نکال دیا جائے
 کیا جانے سختی کہ صرف اسی کے مذہب پر نقد اور استنباط مسائل
 کی بنا رکھی جائے۔"

پھر تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں خلیج و استنباط مسائل کا کسی

عوام کاحال یہ تھا کہ وہ اجماعی اور اصولی مسائل میں، جو تمام ائمہ اور
اہلہبیتہادکے درمیان اتفاق علیہ تھے، براہِ راست شارع علیہ السلام
کی تقلید کرتے تھے۔ وضو، غسل، نماز، زکوٰۃ وغیرہ کے طریقے یا تو اپنے بزرگوں
سے سیکھ لیتے یا اپنے گاؤں اور شہر کے اصحابِ دین سے، اور
اسی پر عمل کرتے۔ بعد ازاں کوئی اہم سبب پیش آتا تو جس فقہ یا فقیہ کو پاتے
تھے، اسے غریب و مسکین سے فتنے شروع لیتے

خواص اور علاج کلیہ مالی تھکان میں جو رہا ہے روایت و صاحب حدیث
ہوئے۔ اور حرف سے غرض چکا کہ روایت میں مشغول رہتے۔ اگر کہیں، روایت
یا اکثر صاحب میں کوئی مشہور دستہ جمل جاتی نہیں پڑھنا، سلف کامل بھی رو
چکا ہو تو ہر چ کے لئے اس کو کافی سمجھتے۔ اور لوگوں کے افسانہ و اسباب کی طرف
انتہات ہی کرتے۔ لیکن گردن کوئی چیز نہ تھا، تو ہر مہر و صواب و انہیں کے مشہور
اقوال کو دلیل دلا دیتے۔ اور کہیں ہاں، آئندہ بھی انہیں کوئی تشکیک بخش مل نہ پاتا
مثلاً تصور باجمہر متعدد ہیں جو جڑیں اور کوئی درجہ ترجیح ان کے وہ ہیں نہ اسکتی

تو یہی حالتوں میں وہ منہائے تقدیر کے اقول کی طرف رجوع کرتے اور ان کو مختلف درجہ میں سے اس رائے کو اختیار کرتے جن کے نزدیک کتاب و سنت کی روح سے زیادہ قرب ہوتی اور جس کے حق میں وہائل زیادہ مضبوط ہوتے۔ وہ ماخذ اور دلیل کو دیکھتے تھے قطع نظریں کے کہ انسا قول کس گروہ کا ہے۔

یہ طریقہ تو محدثین کا تھا۔ صاحب تخریج کا تصدیق تھا کہ وہ جن مسائل کا اصل منبریں شریعت میں صاف اور صریح نہ پاتے، انہیں تخریج کا استنباط کی روشنی میں حل کرتے اور اپنے اصول کے مطابق اجتہاد کرتے تھے۔ اور اجتہاد کے باوجود یہ ملک اپنے اپنے ہم خیالوں کے گروہ کے مذہب سے مضبوط کئے جاتے تھے۔ مثلاً کہا جاتا کہ فلاں شخص ضلی ہے اور فلاں شافعی ہے۔ یہی طریقہ محدثوں کے ہاں سے ہی برتا گیا۔ مذاہب مردم میں سے جس مذہب سے ان کا مسلک نسبتاً زیادہ قریب اور ہم رنگ ہو تا تو وہی رائے اور عدم تقلید کے باوجود اُنسی مذہب کی طرف انہیں مضبوط کر دیتا، مثلاً نسائی اور حنفی جو کھائے عرفا نام اور محدث تھے، شخصی شک کے جانے لگے، غرض انکی زمانہ میں قضاء اور قضا کی سند پر وہی بیٹھنا تھا جو حاشا اجتہاد رکھتا ہو۔ جو جہتہ نہ ہوتا وہ فقیر بھی نہ کہتا۔

سب وہ دور تھا کہ جس میں علوم شریعت پر ایک طرح کا انحصار طاری ہو چکا تھا، مسلمان کی کثرت اور حد و حد وسیع جاتے ہیں ان کے علمی ذوق میں ایک تباہ کن انقلاب برپا ہوتا ہے۔ وہ دینی بیماریاں جنہوں نے ان کی فکری و علمی

مہاجتوں کو شدید نقصان پہنچایا چند اقسام کی تھیں :-

۱۔ پہلی بیدری میں نے ملت مرزا کے پیکر کو کھٹکھٹا کر انھیں سب سے
نکال دیا۔ یہ فقہ اور اس کی تفسیرات سے متعلق ہیں، علم کی باہمی نزاع اور
ہنگامہ آرائی تھی۔ یہ افسوسناک داستان سام غزالی کے تفصیل سے بیان
کی ہے جس کا اصل یہ ہے :-

”مسلک و تہذیب کا میسرں دہریہ اور جب نظم ہو گیا تو وہ مہاجت ایسے
لوگوں کے انھیں کہتی جس انہ کے اٹھانے کی سلفہ مہاجرت نہ تھی تو
اور اس طرح سے ہے تو یہ تہذیب اور تہذیب اس کے وہ عقائد نہیں
کے وہ عقائد کے ختم ہو چکے ہیں کہ اس کے لیے جہود ہوئے کہ اٹھانے ہیں
کی صحبت سے استفادہ کریں اور قدم قدم پر اس سے رجوع کریں۔ تو
وہ انھیں کا وہ قدم پر وہ تہذیب کی حق پرست ہو کر اس کے وہ سب کے
وہ اس سے دینا باطل غالی نہ تھی۔ غلطی کو ایسے لوگوں کی خاص رہنمی
گرفتگی کے بند کی کاہلی کی کہ وہ تہذیب و تہذیب ہیں جنہاں ہی طرف
نہیں تھیں وہ اس سے اس کی رہنمی کیجئے جاتے۔ جاہ پسند لوگوں نے
جب دیکھا کہ اس اور استفادہ کے باوجود اس طرح غلطی کے لئے
میں نہ تھے تھے کہ وہ اس پر لوٹے پڑے ہیں اور یہیں ہوئے و
غفلت ہو گئی تھی اس کا اصل ہے اور وہ بدعت کے لئے بھی، اس سے

و شک ہے تو ہی کے طور پر اس طرح عزت بھی ہم میں کے حامل
 کرنے کا شوق پیدا ہو گا۔ اسے انہیں ان کے نزدیک اس قدر
 نتیجہ یہ حاصل ہو گا کہ ان کی عظمت جاوہرستی کے سیلاب میں غرق ہو کر
 رہ جائے گا۔ اب ہمارا دھڑکاؤ دھڑکاؤ سے نہ جاتے تھے کھدو خود اپنے
 دھڑکاؤ نے دلوں کو دھڑکاؤ سے پھرتے تھے۔ جو کچھ ان کی عزت
 تھی سب اس سے سرکھٹنے کی بدولت تھی۔ جب انہوں نے خود
 سے زمین کا رخ کیا عزت و زلت سے پہلے گئی۔ تقدیر مٹ

”اس سے قبل کھلی جہالت کی داغ بیل پڑ چکی تھی، علم و حکم پر
 بعض کتابیں بھی جاری تھیں، بحث و مناظرہ کے اصول شروع بھی
 ہونے لگے تھے، اخلاقی مسائل پر سوال و جواب کا یہ حال عام ہو چکا
 تھا، اب ان خزانہ فقہ کے لئے یہ جہیز حاصل ہو رہا تھا کہ ان کے
 گیسٹ کیونکہ دربار میں اس کے غیر درباری تھے، بعض غلط
 فقہی مسائل کے لئے دلائل تھے، بعض اور شافعی مسائل تھے۔
 خصوصیت کے ساتھ انہیں دیکھی تھی نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے باوجود
 اور دیگر علم کے سب سے بہتر و جہیز سے نکل کر اخلاقی مسائل فقہ کے
 معزز تھے، ان کے لئے اور جہیز اور رشہیت کے اٹھانے میں
 آراؤ ہوئے گی کہ خود دینوں معاشرہ کی توجہ حاصل کرنے کا یہ

بہرہی ہو تھا۔

”سستم پر کردہ اپنی اس قلم و قال کو ہم دین کا ایسی خدمت شمار
کرتے تھے، جن کا خیال تھا کہ وہ اس طرح شریعت کے سرسودہ گنا
کا استنباط کر رہے ہیں۔ ہر مذہب کے عمل و مصالح میں کچھ
ہیں، اور اصول فتویٰ کی راہ کھل رہے ہیں اس خیال کے ماتحت پہلے
نئے تعینات اور مستنبطات کا ذکر کیا یا دور کثرت و مبالغہ کے
گونا گوں اصول بیان کر ڈالے۔ افسوس کہ وہ اب تک اسی روش پر
چلے جا رہے ہیں۔ نہیں معلوم مستقبل نہیں کس راہ پر چلے گا۔“

۱۷۰ دوسری خاص بات اس زمانہ میں یہ پیدا ہوئی کہ تقلید عام پر لوگوں
کے قیامت کر کے تحقیق و اجتہاد کا دروازہ اپنے اوپر بند کر دیا۔ تقلید پرستی
غیر شعوری طور پر ان کے ایک ایک رنگ و روپ میں سرایت کر گئی۔ اس کے
چند اسباب تھے۔

پہلا سبب فقہاء کی باہمی جنگ و جھل ہے کہ جب دن میں آپس کی
مناظرہ و چیلنج اور نزاع و محنت شروع ہوئی تو فوجیت پر آگئی کہ جہاں کسی فقہ
نے فتویٰ دیا، دوسرا فوراً اس کی تردید کر دیتا اور اپنی الگ رائے پیش کرتا۔
اس نزاع میں جب تک کسی قدیم ”ماما“ مجتہد کا قول حکم نہ بنتا، جھگڑے کا
تصفیہ ہی نہ ہو سکتا تھا۔ اس طرح ارباب علم و افتاء کے لئے ناگزیر ہو گیا کہ کسی

بیکسی امام کی تقلید بعض کے حصار میں پناہ ملیں۔

دوسرا سبب قضاۃ وقت کا ظلم و جور ہے۔ ان کے فیصلے اکثر سلتہ کا دل سے بے پروا ہو کر جو بدستور پر مبنی ہوا کرتے۔ اس وجہ سے لوگوں کی نگاہ میں ان کی باتیں مشکوک رہا کرتیں اور انہیں اس وقت تک نسیم نہ کیا جاتا، جب تک وہ سلف میں سے کسی امام کی باتوں کا حوالہ نہ دیتے۔ تیسرا سبب جہل کا شیور ہے۔ اکثر مفتیوں کا حال یہ تھا کہ وہ علم حدیث سے کوئی بہرہ نہ رکھتے تھے اور نہ تخریج و استنباط کی اہلیت رکھتے تھے جب کہ تم اکثر منافقین کے ائمہ یہ صفت بے بسی دیکھ سکتے ہو علامہ ابن ہمام وغیرہ نے اس علمی و فنی زوال پر شدید احتجاج کیا ہے ایک وقت وہ تھا جب فقہیہ اور مجتہد کے الفاظ ایک ہی معنی میں بولے اور کچھ جاتے تھے گروہ فقہات کا سیارہ بل پکا تھا۔ اب غیر مجتہد ہی فقہیہ ہونے لگا۔

۱۴) اس وجہ میں ایک اور چیز پیدا ہو گئی جس نے لوگوں کی توجہ انہی طرف کھینچ لی اور وہ علوم و شریعت کے اہل سرچشمے سے اک گونبہ ہوا ہونے لگے اللہ یا نہ توجہ دہی قرون میں لا اقلین چھٹ گئے۔ بعض نے ظلم خود کو بد جہاں اور غیر جہاد و تدبیر کی بنا لائی، پھر وہ بد و تدبیر ہمارے رخ کی تدوین میں منہمک ہو گئے کچھ لوگ غریب و نادار علویہ شاخہ کی جہان میں ہیں مصروف ہو گئے۔ غور

وہ سزا پا گیا نہ ہی افسانہ کیوں نہ ہوتی۔ ایک گروہ نے اصل فقہ کے
 داعی کو بھیلانا شروع کیا اور ہر صاحبِ نظر نے اپنے اہم و اہم صاحب
 کے مسلک کی تائید میں بے شمار جمل و قاعدہ و ضوابط و دلائل کر ڈالے۔ دو تو
 اہل دین کے چرچے بہت بڑھ گئے۔ میدانِ مبارزت میں بے ہاد و غرضی پیدا
 ہو گئی اور اس فن بہرہ ریک نے اپنے مسلک اور مذاق کے مطابق جمل و
 مختصر و مفادِ بیعت کا اہتمام کیا دیا۔ ایک اور جماعت اٹھی جس نے نیز کی جیس
 ضرورت کے بعض فرضی صورتوں کو سامنے رکھ کر دماغی کاوش و مشورہ کر
 دی۔ یہ فرضی صورتیں ہیں پر وہ اپنی ذیلی و قلی کی بنیاد رکھتے کبھی کبھی حدودِ جہ
 مستبعد اور بے اصل ہوتا کرتی تھیں۔ اسی طرح کبھی کبھی مجتہدینِ سلف کے رسوم
 عبارت اور اشارات کو سے کر خیالی کرائی شروع کر دیتے جس کو ایک عامی
 انسان بھی سنا پسند نہیں کر سکتا۔

یہ دو دوائے فتنوں کو سامنے کر آتے اختلاف و نزاع اور لالی لال
 لغو و تفریق کا یہ فتنہ تاریخِ اسلام کے اس سیاسی فتنے سے کسی طرح کم نہ
 تھا جس کے شبہ و شک و شبہ پر اپنی تیز مقراض چکا اس کا اس نظامِ دین
 درجہ برجم کر ڈالا۔ یہاں فتنہ خلافت اور حکومت کی طلب کا اٹھا یا تھا تو ہر
 شخص نے اپنی جماعت یا اپنی جماعت کے سرگروہ کو برسرِ حرکت لانے کی جارحانہ
 سرگردا کو سنسن کی تھی یہ نہ تو کو۔ ملکِ حاضر میں دجا بر نظامِ بادشاہت کے

مصر مستط ہو گئے۔۔۔ ورنہ تاریخ اسلام میں ایسے ہر ایک واقعات پیش آئے
جن کا تصور بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ اسی طرح یہ جدید فقہ بھی قریب قریب ایسے ہی
اسباب کے تحت آیا اور لوگوں کے دماغوں میں جہل و شکوک و دوام کے
گہرے نقوش چھوڑ گیا۔

نہ اذ گندارہ اور اشیائے انہی متعصبانہ تقلید پرستی پر نہیں ختم ہوئی
گشتیں جس کی رو سے حق و باطل کی تیز کرنا اور جملہ حق اور سبب و اسباب کے
محدود نگاہ کرنا بدترین گنا ہے۔ اب فقیر نام ہونے لگا۔ اس شخص کا جس کی
زبان بحث و جدال کے میدان میں تیز تر رہے، جو کسی بات پر چُپ رہنا چاہتا ہی نہ ہو
جس نے بلاشبہ (و طبع و دماغ) فقہ کے تمام اقوال رٹ رکھے ہوں اور
ان کی دھواں و حمار تلاوت کر سکتا ہو یہی حال اصطلاحی حدیث کا تھا۔ جو یہ
بھی سمجھتا تھا کہ غلط و صحیح، موضوع اور مستند، ہر قسم کی مداروں کو لگان گن
کر انگ کر لینا، رد و غیر کی بقولیت، اور فہم و بصیرت کے انہیں بیان کر دینا حدیث
دینی کا سب سے بڑا گناں ہے۔

پس یہ نہیں کہتا کہ یہی حال سب کا تھا۔ جنہیں اس غلطی کے باوجود
شک کے کچھ ہنس سلف کی یاد آ رہے کرنے والے بھی باقی تھے، اگرچہ ہنس نہ تھے
مگر امت کی تائید و توثیق کے شرک و باطل تھی۔ یہی ٹوٹ اور حق، غلطی پر س کی گت
تھی۔

اس دور کے بدہن وقت گزرتا گیا فتنہ آرائی اور شیعہ تصانیف تقلید
پرستی کا طوفان بڑھتا ہی گیا۔ اور دونوں سے علم و بصیرت کی ضلوعی تاثیر
نکلنے لگی جس کی آج کے علما و کرام امور دین میں خود و تدبیر کی بہت کمی
ملین کا سس سے رہے ہیں اور زبان حال سے کہہ رہے ہیں کہ اِنَّا وَجَدْنَا
اٰبَادَنَا عَلٰی اَشَدِّ قُرْبَا عَلٰی اَتَا بِرِہٖ وَاَحْسَنَ دُرُفِہٖ۔ ہم نے اپنے آباؤ کا کچھ
دور پہنچا ہے اور ہم انہیں کے نقوش قدم کی پیروی کر رہے ہیں، اب سوائے ان
کے اور کس سے اس کا ٹھکانا جائے؟ وہی ہمارے حال پر جسم کرے!

وَاخْرُجْ اِلٰہُ الْاَلْفِ

اختلافی مسائل آن کا نقطہ عدل

اسلام وحدت کا پیام لے کر آیا تھا مگر اس وقت جس وقت منصب
 کے ہاتھوں میں پڑ کر وہ اختلاف و تفرق کی خدمت سرانجام دے رہا ہے۔
 مذہب کے چند جزئی مسائل نے ابھی جنگ کا سہارا بنیں گا جو طوفانِ عظیم برپا کر
 رہا ہے۔ ان کی حقیقت پر جب میں نے بری طرح غور کیا تو یہ دیکھ کر ہرگز وہ
 حق و اعتدال کے مرکز سے کچھ ذکھ ہٹا ہوا ہے، اور بے جا تعصب اور فتنہ
 سے کام لے رہا ہے ہر ایک اتباعِ سن کا مدعی ہے مگر سچائی کی انھیں
 حسبِ شان ہر پر چلنے کے بجائے جذبات کی بہروں میں بہ رہا ہے مجھے بہت
 اسی کا شکر گزار ہوا چاہئے کہ اس نے مجھے اصل کی میزان ابھی بخش دی ہے
 جس پر حق و باطل کو توں کر میں اندازہ رہا ہوں کہ حق کی یہی لہروں راہ

کون سی ہے۔ درود اس وقت کس طرح اختلافات کی غارتگر بن گئی ہے اور
منزعات و اختلافات کی بنیاد کیا ہے۔

اہلِ مذہب! اس غمناک حالت کو دیکھ کر فرضی معلوم ہوا کہ ان مسئلہ
کی اصل وجہ امتیں بھاری ہائے جن کے اندام کے اٹکا نا لچکر رہ گئے
ہیں اور جن کی تائید و تہذیب میں ان کے علم بغیر کسی بھی بصیرت کے بے جا جوش و
خوشی کا اظہار کر رہے ہیں۔

ان میں سے سب سے اہم مسئلہ عقیدہ کا ہے۔ ائمہ اربعہ کی عقیدہ کا حجاز
قریب قریب ساری امت کا اجماعی مسئلہ ہے اور اس کے اندر جو مصالح
ہیں انہیں ہر دیکھنے والی نگاہ دیکھ سکتی ہے خصوصاً اس پر آشوب زمانہ میں
جبکہ عام قرائے فکر پر مجبور اور دونوں مہج کی موت سی طاری ہے۔ دلوں میں
طلب حق کا کوئی جوش اور نور باقی نہیں شریعت کے قوانین ہستی اور
ہمدردان کئے جا رہے ہیں اور ہر کس و نا کس خود پرستی اور خود رئی کے نشہ میں چپا
عقیدہ کے باسے میں ابنِ حزم کے اس قول نے کوئی ات فریادی اور
اجماعِ مسلم کی حالت عقیدہ حرام ہے اور خود آنحضرتؐ نے اپنی عقیدہ سے
منع فرمایا ہے: "وگوں کو عجیب غلط فہمی میں مبتلا کر رکھا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ
حکم حرام ہے اور ہر عامی و جاہل پر اس کا اطلاق ہوتا ہے حالانکہ یہ یقیناً جتنے
خود بخود نکل جاتے ہیں اپنا یہ غلط فہمی اور غلط فہمی کہ ہے اور اس کا اطلاق کس شخص پر چھوڑا

۱۵۔ جو اپنے افسدہ جمہاد کی اہمیت دیکھتا ہو، خود ایک ہی مسئلہ میں ہوں۔
 ۱۶۔ جو اپنی ہی جانتا ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غصوں : شکوک و شبہات سے پاک
 سے ملکا ہے اور یہ حکم شروع نہیں ہے اس بات کا علم خود اسے احادیث کے
 "تخریج" اور مخالف مسوائق و اہل کے استفسار سے حاصل ہو یہ دیکھ کر اگر وہ باطل
 بعیرت کا سراپا علم اس طرف چار ہے اور مخالفت کے پاس قیاس اور انہوں
 منطقی و قیہ نہیں ہوگا، اور کچھ نہیں ہے وہ اس قیاس پر پہنچ جائے گا یہی صورت
 میں حدیث نبوی کی مخالفت کا سبب یا تو کھانا پڑا حق پر ہو سکتا ہے یا کوئی پہچان نہ پاتا
 شیخ عزیز بن عبد السلام ہی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے

ہیں :-

"حیرت ہوتی ہے ان تعلید پرست علماء پر جو اپنے امام کی جہاد
 فعل سے واقف نہ ہونے کے بعد اس کے قول پر چلتے سے جے بہت ہیں اور سے
 ترک کر کے کسی اپنے قول کی اتباع نہیں کرتے جو اپنی صحت و کتاب و سنت
 اور اس سے صحیح کے بلے ٹھانڈا ہو دیکھا ہے بلکہ وہ جوں کی تو یہ ان سے
 دیش عقبہ کے دوسے ہوش میں ٹھانڈا و سنت کی بھی مخالفت ہوتی ملے
 ہی ۔ اور جتنے کام کی حمایت ملے بلکہ مصروفیت ثابت کر کے کہنے
 خصوص شریعت کی پس کیلئے اصل افساد و ضلالت کرتے ہیں کہ ان کے لیے
 گرفتاری کا ہم کی کردہ اور حیرت انگیز مثال شاہ ہی مل سکے :-"

پھر ایک مقام پر لکھتے ہیں :-

خود را قل میں جس سے بڑھ کر کیا رنگ اور جن شمس اور شایہ قیامت
نیکہ دانگے، اوروں کا حال یہ تھا کہ جس عالم دن کو پا سکتے اسی کے خیمے
پر چھپا کر سوتے تھے میرا خیمہ اور جیسے کہ کہہ عالم کس جیسے اور سنگ کا
پر رہے تھیں اس حد کے پہنچاقت میں ایک ٹیکرٹ ان فرق پیدا ہوا
ہے چار کتاب احادیث کے چار مفسرین کا مجموعہ ہے صوبہ ہند کے
اس مرکز سے بالکل سے پرہیز کر رہے تھے ان کے اقوال پر ایمان نہ کیا جاتا ہے
خدا میں کا کوئی نقل ہی کر دے اور بے دلیل و محبت چھوڑ جائے، مجتہد
مذاہب کا رسول بنا لیا گیا جو غور محض ہے اور خود اس کی ہر بات
وہی حق ہے یہ راستہ حق کا راستہ نہیں ہے بلکہ سراسر بھول اور
باطل کا راستہ ہے

امام ابو شامہ کا فیصلہ بھی سننے کے لائق ہے کرتے ہیں :-

”جو شخص نہ سے دلچسپی رکھتا ہوتا ہے چاہے کسی ایک ہی اور کسی
پر اکتفا نہ کرے بلکہ ہر ایک کے اقوال پر نظر اے مذاہم کے اور ڈوب کر
حق کا سراغ لگانے اور اس خواہی میں سے جو قول قرآن و سنت سے
نزدیک، اقرب ہے اسی کو، اعتبار سے لے کر، وہی کے ضروری تصور میں
کی گھا، چھک تر شا، دست و پوت میرا سے؟ مانی میں ہر جہاں گ رہ

کسی وقت اس کا ہی سے دوچار ہونے غیر شریعت کی اس شاپہ
 پائے گا، اپنے شخص کو چاہئے کہ تہب کے ملک براہیم سے پہنچنا
 کر پاک کے اور اختلاف و نزاع کی نہ چلے دلوں میں ہرگز قدم نہ لگے
 ہے ماحرب سے نیا کر لکھا ہے کہ لکھو دیں تصبیح و قات اللہ خیر
 طبع کے اسرا لکھ میں مل سکے۔ امام شافعی رحمہ اللہ علیہ نے خود چاہی اور
 ہر دوسرے امام کی تعظیم میں فرمایا ہے جس کا ذکر فرنی نے اپنی کتاب میں
 بہت تفصیل سے کیا ہے ۵

(۱۲) اسی حزم کا فتویٰ اس شخص پر بھی متعلق ہوتا ہے جو حامی اور علم دین
 سے بے ہو ہو کر کسی بیابان تقلید کرنے میں توفی بخا تب ہو مگر وہ کسی خاص امام
 کی تقلید اس اعتقاد کے ساتھ کرتا ہو کہ اس سے خطا کا ارتکاب غیر ممکن ہے
 اس کا امام جو کچھ کہتا ہے وہ حق ہی ہوتا ہے نیز اس اعتقاد کے ساتھ وہ غلطی
 فیصد ہی کرے کہ اس خاص امام کی تقلید پر وہ ہر حال میں قائم رہے گا، خود ہی
 مسئلہ میں اس کے قول کا خلاف قرآن و حدیث ہونا ثابت ہی کیوں نہ ہو جائے،
 یہی وہ یہودیت ہے جس نے بنی اسرائیل کی توحید کو بالکل شرک سے بدل دیا!
 تھا جب کہ امام ترمذی نے علی بن حاتم سے یہ روایت نقل کی ہے :-

عن محمد بن علی بن مسلم عن ابن عباس عن رسول اللہ ﷺ
 قال: من عبد الله فليكن منكم ومن عبد الله فليكن منكم

اپنے اہل و عیال اور چہان و شایعہ کی مملکت تو نہیں کرتے تھے
 نگران کا معاملہ تھا کہ جس چیز کو ان کے علاوہ شایعہ عوام نہ جانتے تھے وہ
 اور بغیر کسی شرعی دلیل کے حلال یاں جیتے تھے۔ اور جس سے مکہ و مدینہ و
 یسے جیتے تھے اسے وہ حرام کہہ جیتے تھے۔

پس کسی سامع کی فقیہ اس اعتقاد کے ساتھ کہ اس کی زبان میں شریعت
 کی زبان ہے یقیناً غیر منطقی پرستش ہے۔

دوسرا جو شخص اس بات کو جائز نہیں سمجھتا کہ ایک عجمی کسی شافعی فقیہ یا
 شافعی کسی عجمی فقیہ سے فتوے پوچھے یا اس کے پیچھے نذر پڑے وہ بھی ابن حزم کے
 فتوے کی زد میں آجاتا ہے اس لئے کہ باطل و سلف اور صحیح و تابعین کو لازم کے
 عمل کی کھلی ہمراہی حنا لغت ہے جو کسی حال میں بھی جائز نہیں ہو سکتی۔

یہ ہے ابن حزم کے قول کا منشا۔ من قبیلہ اور شرانہ کو ملحوظ رکھ کر اس کا
 الحاق کیا جائے گا اور جہاں صحبتِ مال یہ نہ ہو وہاں تک اس کا دائرہ وسیع نہیں ہو
 سکتا۔ منشا ایک شخص ہے جو محض اقوال و قول ہی کو دیکھتا ہے اور صرف اسی چیز
 کی حقت کا اعتقاد رکھتا ہے جسے اللہ اور اس سے رسول نے حلال کیا ہو، اور صرف
 اسی شے کو حرام سمجھتا ہے جسے اللہ اور رسول نے حرام قرار دیا ہو یعنی تحریم و تحلیل
 کا حق وہ ایک لمحہ کے لئے بھی کسی اور کو نہیں دیتا لیکن اس ایمان اور اعتقاد کے
 باوجود چونکہ وہ اقوال و قول پر کوئی نظر نہیں رکھتا نہ اعتقاد ضروری کو قطعاً

و یہی حکمت رکھتا ہے اور نہ صرف شرعیہ سے احکام کا ہتھیار رکھتا ہے اس لئے اگر وہ ایک ایسے ثقہ اور صحیح دستور عالم دین کا تبلیغ کر سکے جو اس کے نزدیک سنت رسول کے مطابق فتنی ٹیٹے والے ہے اور یہ تبلیغ بھی وہ اس نظریے کے ساتھ کرتا ہے کہ جب تک کوئی نفس مشرعی اس کے خلاف نہیں تو ظہری تعصب اور امر و نہی کے وہ اس قول کو قلم کوٹے گا تو پھر نہیں معلوم کہ کوئی شخص کیونکر ایسی عقیدہ یا تبلیغ کو ناجائز نہ کہہ سکے جب کہ عہد نبوی سے لے کر اب تک تمام مسلمانوں میں مٹا رہا اور امت مسلمہ کی ہی سنت متواتر چلی آ رہی ہے۔ اب خواہ کوئی انسان کسی ایک ہی فتنہ سے ہمیشہ فتنے و پھپھو کرنا چاہے یا کبھی ایک فتنہ سے اور کبھی دوسرے سے اور دونوں نسل باہر ہیں بشرطیکہ مستحق فتنہ اور رسول کے فرق کو ہمیشہ ملحوظ رکھے۔

پس ہر مادی عقیدہ پر کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے جبکہ ہم کسی عالم کے متعلق یہ بیان نہیں دیتے کہ وہ مبصوم ہے، اللہ تعالیٰ نے اس پر ہم فتنی وی نازل فرمائی ہے۔ اور اس کی اطاعت ہم پر فرض کر دی ہے ہم تو اگر کسی امام کا تبلیغ کرنے ہیں تو یہ جان کر کرتے ہیں کہ وہ کتاب و سنت کا عالم اور روح شریعت کا مزاج شناس ہے۔ اس لئے اس کا قول یا اقوالیات و احادیث کے معنی و دلیل پر بحث ہے یا ان سے ماخوذ اور مستنبط ہے یا پھر قرآن سے اس نے یہ بات مستفید کر لی ہے کہ یہ حکم غلط علت کی بنا پر ہے۔ اور جب اسے اپنے فہم کی صحت پر پورا

دو اصول ہیں ✓

ایک نوید کہ انما جا حدیث کا قیاس کیا جائے۔ دوسرا یہ کہ فقہاء کے اصول کو مسترد کر سائن کا استنباط کیا جائے۔ شرعاً ان دونوں اصولوں کی اہمیت مسلم ہے ہر دور کے فقہائے متقدمین کا طریقہ ہی رہا ہے کہ وہ ان دونوں اصولوں کو بخیر و برکت سے کرتی ایک کی رعایت زیادہ کرتا کوئی دوسرے کی لیکن ایسا بھی درست ہے کہ کسی عمل کو بالکل ہٹ کر کوئی اور پس کسی جیسا کہ اس کے لئے سزاوار نہیں ہے کہ وہ بالکل ایک ہی طرف جھک جائے جیسا کہ آج دونوں فرقہ کا کام شروع ہے۔ اور فقہین کو کہ ان کا یہی مشیروہ ان کی ساری عقلاتوں کا ذریعہ رہے ان دونوں اصولوں کو ایک کے ساتھ نہ پائاست شکل ہے۔ حق کا راستہ ہے کہ ان میں تعزین کرنے کے چلنے کے دونوں میں مطابقت پیدا کی جائے۔ اور ایک سے دوسرے کی عمارت ڈھانے کے بجائے اس کے کمزور مقامات کی اصلاح۔ نیز مشیروہ کا کام لیا جائے۔ اس طرح ایک جہدین کا جو قصہ تحریر ہو گا نہایت مستحکم و دائمی طور پر نیا دور پر قائم ہو گا۔ اور اس میں باطل کے رہنے کی کوئی گنجائش قریب قریب بے کار ثابت ہوگی۔ اسی لحاظ اور یکساں ذمہ داری کی طرف امام حسن بصریؒ نے ہماری رہنمائی کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

مسند کبیر اللہ اللہ ی کا اللہ اللہ اللہ اس ذات کی قسم جس کے سر کوئی معبود
علاوہ جہا بھی انسانی و جانانی نہیں کہ تمہارا راستہ صلیبی ہو جسے

والے اور حد تک دو جو مسل انگاری کے بہت پیچھے والے دونوں کے بیچ میں ہے۔

یعنی حق کا مرکز افراط و تفریط کے بیچ میں ہے جو اہل حدیث ہیں انہیں چاہئے کہ اپنے اختیار کو حد تک کو مجتہدین سلف کی راہوں پر پیش کر سکیں۔ اسی طرح جو اہل تخریج ہیں اور مجتہدین کے اصول پر سائل کا استنباط کیا کرتے ہیں انہیں بھی چاہئے کہ حتیٰ الوسع صحیح اور صریح تصویب کو اپنے اصول اور دائرے پر قربان نہ کریں اور نہ ایسا طریقہ اختیار کریں کہ فرمودہ نبوی کی صریح مخالفت کا انہیں باور نہ آتا ہو۔

کسی حدیث کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ ان اصول و تدبیرات سے متبع میں بے جا ترقی اور تغیر کے کام لے جنہیں پرانے تفسیرین نے وضع کیا ہے کہ نہ کہ ہر حال وہ بھی انسان ہی تھے، نکل و نظر کی غرضوں سے ان کے بنائے ہوئے قواعد محفوظ نہیں کیے جاسکتے، اور نہ شارع کی طرف سے ان کی صحت اور قطعیت پر کوئی سند پیش کی جاسکتی ہے اس میں پریشی کے تشدد اور مزید سے بجا اوقات حدیث اور تفسیر صحیح اور دونوں کو ذکر کیا جائے گا۔ قطعاً یا رسال کے ایک ذریعے شک کی بنا پر کتنی ہی حد میں متروک ہو تا قبل استناد ظہوری مانتی ہیں حالانکہ فی نفسہ وہ قابلِ رسوائی نہ کرتی ہیں چنانچہ ابنِ عزم نے اسی طریقہ کی پیروی کرتے ہوئے تحریر کیا: "ما جہل کو حرام

قرآن میں مذکور حدیث کو ناقابلِ حجت قرار دے دیا، صرف اس وجہ سے کہ اس بخاری کی روایت میں منقولہ ح کا مشبہ پایا جاتا ہے، حالانکہ حدیث فی تنقیہ صحیح دور اس کا سند سلسلہ متصل ہے اس ترکس قویٰ ص سے تادم ہو تو اہل حق قطع کے مشبہ کی بنا پر اسے منقطع قرار دیا جاسکتا ہے ایسی حدیث کو کمرے سے نزدیک ٹھیرا دینا یقیناً زیادتی ہے۔

اسی طرح ابواب حدیث کا ایک اصل یہ ہے کہ اگر ایک شخص کسی محدث کی روایتوں کو لکھتا تو اسے اس وقت کے ساتھ محفوظ رکھتا ہے اور دوسرا ظاہری صحت کی حفاظت سے ہٹا، مٹا، نہیں کرتا تو کلیہ شریعت چھٹے شخص کی بردارایت (جو محدث سے کی گئی ہو) دوسرے راوی کی روایت پر مقدم دھڑکا، جس کی نوعاً اس دوسرے راوی کے اندر ترجیح اور برتری کے کہتے ہی واضح و داغی کیوں نہ موج دہوں۔ لوگوں کی یہ خاموشی پرستی سخت تنقید کے قابل ہے۔ کہ نہیں جانتا کہ عام برواۃ، حدیثوں کو، یعنی بیان کرتے تھے الفاظ و حروف کے مفروضہ رکھنے کا یہ حدیث و بیانیہ نہ جس کوئی تعارض میں جس طرح ابلی اوب وجوہات یک ایک حروف کے یکدم نہ فرورس کی دیم و ترتیب سے کہتے تفریق کیا کیا کرتے میں دیب و تقس متن حدیث میں برتا، حتیٰ کہ ایک کلمہ کی تقدیم و تاخیر الفاظ کی مشابہت اور معاد، اور آو جیسے حروف کے دقیق حصہ ہی

اس خود تفریح و ہلٹ یا مشابہت کو بسیار کچھ ٹھہرا دیا جانے سے ہم پر قسم ہے کہ ان قسم ترقیات کو نہایت دیر ویری کے ساتھ کام کی طرف منسوب کر دیا جائے ہے، ادا کا اگر وہ نام جس کے قول سے یہ تصریحات کی گئی ہیں، کج زندہ ہو کر آجائے اور یہ مسئلہ بروہا مست اس سے پرچھے ہائیں، تو باوجود اپنی تمام اہم بدعت اور مجتہد ذرغہ کو بھی کے اور جنہ وفاق تک اس کا تخیل پر حادہ کر سکے گا۔ جنہیں ہاں کے پیچھے چنے و قول نے اسی کے اقوال سے مستنبط کر رکھا ہے۔

تخریج کا یہ جزو نہایت حیرت و سر دلا دے۔ تخریج تو ہمیں اس وجہ سے جائز ہے کہ وہ دو حقیقت بہت ہی تفہید اور پیروی ہے، نہ کہ اس کی غلط فہمی اور اس کے اشادات پر بھی ماضیہ آرائی، اور وہیں تک اس کا شیعہ ہو سکتا ہے۔ جہاں تک نام کے قول نام اصول شیعہ مذہب کے مطابق اجازت دے۔ انہیں ورنہ اگر اس کے کچھ کا رخ کسی طرف ہو اور اس کا ترجمان دشمن کوئی اور رخ متعین کرے، تو یہ تفسیر اور نہ جانی یہ تفسیر تخریج نہ ہو گی بلکہ کوئی اور ہی چیز ہو گی۔

اس کے علاوہ ایسے فقہاء کو اس بات کا خیال رکھنا بھی بہت ضروری ہے کہ بعد پنے اصول کی پیروی کے جو ش میں ایسی مستند حدیث یا امام کے روئے کر دیا کریں جہیں امام امت میں مقبولیت حاصل ہو چکی ہو، مثال کے طور پر حدیث معروۃ کو روئے مخصوصی امام علیہ السلام سے فرمایا ہے کہ:-

اب ہر چیز میں اس کی خبریں سے تیسرے مسئلہ پر جو ترقی و منت کے
قوت سے متعلق ہے بحث کر لی جانتے ہیں

احکام شرعیہ کی معرفت حاصل کرنے کے لئے کتب و دست کا جو
تنبیہ کیا جاتا ہے اس کے مختلف مدارج ہیں سب سے اعلیٰ مرتبہ یہ
ہے کہ انسان کو بغیر حکام شرعیہ کی معرفت پر تامل و تردد نہ ہو جائے کہ وہ
مسئلیوں کے کثیر سوالوں کا جواب یا آسانی دے سکے۔ اور سالی زندگی
میں ہمیشہ اسے واسطہ عام واقعات کا شرعی حل معلوم کر سکیں۔ اسے
توقف اور عسروشی نہ بہت کہ کام ہلکا نہ رہے، یہی مقام اختیار ہے اس
استعداد اور قابلیت کے حصول کے چند طریقے ہیں

(۱) کبھی یہ استعداد انان دیت میں غائر قلب و کثرت و جہد و زہد و سختی
نتیجہ سے حاصل ہوتی ہے۔ جب کہ امام حنبلی جلیل کا خیال ہے کہ اس سے
مجھ یا کہ اس ملک کے حاصل کرنے کے لئے ہر وہ بھی تفکر اور تہجد کو کافی ہے
جو اس کے ساتھ ساتھ انسان کے متذہبی سے کہ ایک مہربان و ادب
کی طرح کوئی کام اور سبیل و بیان سے پوری واقفیت رکھتا ہو اور
ایک وسیع احاطہ اور حرج یہ بھی جانتا ہو کہ اسے سبب متعارضوں میں
حیوانیہ کی صورت کس طرح پیدا کرنے سے روکے۔ ان سے استدلال کا طریقہ
یک پرگزہ کیا

۱۲) کہیں یہ قابلیت اصولی ترجیح کو پوری طرح ضبط کرنے سے حاصل ہوتی ہے لیکن اس کے لئے صرف یہی کافی نہیں ہے کہ انسان کسی ایسے مسئلہ کو سامنے رکھ کر مستنبط مسائل کا طریقہ جان جائے بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ عادت ہو جائے کہ ایک مسئلہ بعد پر اس کی نظر ہو تاکہ اسے معلوم ہو سکے کہ کہیں اس کا قول جماع سے ٹکراؤ نہیں رہا ہے۔ یہ طریقہ دہل تکرار کا ہے۔

۱۳) تیسرا راستہ جو مذکورہ بالا دونوں راستوں کی نسبت اعتدال کا رنگ رکھتا ہے یہ ہے کہ ایک طرف نئی قرآن و سنت سے آئی آگاہی رکھ کر جو فرقہ کے اصولی اور جماعی مسائل اور ان کے تفصیلی دلائل کا علم حاصل ہو سکے اور دوسری طرف بعض اجتہادی مسائل پر کچھ دوسٹر سے رکھ کر سو دن کے تہماتوں پر اس کی نگاہ ہو، ایک قول کو دوسرے قول پر ترجیح دے سکتا ہو لوگوں کے حقیقیہ تخریج پر اعتدال دیکھ کر سیکھنے کی تیز کر سکتا ہو خواہ اس کے اندر وسعت نظر و تبحر کے دو حشر اظہار لازم نہ پائے جائیں جو ایک مجتہد مطلق کے لئے ضروری ہوا کرتے ہیں اس مقام پر پہنچ کر ان کے لئے جائز ہے کہ مختلف راہوں کو تنقیدی نگاہ سے دیکھے اور ان مختلف مذاہبوں کے دلائل سے واقف ہو کر کچھ باتیں ایک مذہب کو اور کچھ دوسرے مذہب کی سے سے ذمینی تطبیق کرے اور بعض

عزیمات کو ترک کرے جو مروجہ عقیدہ میں کے شکیک ہیں۔ قبلی ہی ہو
لیکن وہ اپنی عقیدہ اور تحقیق کی روشنی میں انہیں غلط سمجھتے۔ اسی وجہ
سے ہم دیکھتے ہو کہ بہن علماء کو مجتہد مطلق ہونے کا دعویٰ نہ تھا اور اپنی
نقصی تصانیف میں خود مسائل کا استخراج کرتے ہیں اور ان کا بر سلف کی
آراء میں موازنہ کر کے ایک رائے کو دوسری رائے پر ترجیح دیتے ہیں
جب اجتہاد اور استخراج دونوں قابل تجزیہ و تقسیم ہیں اور کسی جزئی
مسئلہ میں تجزیہ کر کے لئے آدمی کا مجتہد مطلق ہونا ضرور لازم
نہیں ہے تو پھر مسائل کی تحقیق میں اس طریقہ کا کرنا لوگوں کی نگاہ میں
کیوں مستحب اور ناقابل قبول و کھانی دیتا ہے؟ تحقیق کا مقصد تو محض
ظن غالب کے حصول تک ہے اور اسی پر تکلیف کا دار و مدار ہے۔
وہ گئے وہ لوگ جو اپنی گہری نظر نہیں رکھتے اور جنہیں ہنسنا
اپنی فہم و بصیرت عطا نہیں کی ہے کہ قرآن و سنت پر غور رکھ کے بعد
خود مسائل کی جانچ بین کر سکیں انہیں چاہیے کہ اپنی زندگی کے عام
محاطات میں مذہب مروجہ کے بنیادی اصولوں اور فیصلوں کو ایسا نہ سمجھ
بکھیں جنہیں انہوں نے اپنے تہاؤ و اجداد کے سہیلے سے اٹھایا ہے۔
لیکن جو واقعات صحیحی نہ ہوں بلکہ اہم اور نا درالوجہ ہوں ان میں ہتھے
کسی قریب کے صفت کا استماع کریں اور تصدیق میں قاضی کے حکم کی

تصیل کریں۔ میں یہی حق کے لئے سب سے مصون رہا ہے۔
 اسی خیال پر ہم نے ہر مذہب کے قدیم اور جدید علماء، محققین کو
 پایہ ہے اور تمام فرقہ و مذہب نے اپنے پیروؤں کو سنی کی وصیت
 بھی کی ہے۔ یہ یقین والو امریں ہیں۔

اور یہ دعویٰ کرتے کرتے سنا جاتا ہے کہ جو شخص میری دلیل سے
 واقف ہو، ہمارے جیسے قول پر کوئی دینے کا کوئی حق نہیں۔ خود
 ہم ہر صورت جب کوئی فزی دیا کرتے تو کہتے یہ نواں ہی بات کی
 رہی میری رائے ہے۔ سے سے بہنے ہے۔ علم و ظہور میں بہتر ہو کر
 حقیقت یہ ہے کہ کوئی اس سے بہتر دلائل دے نہیں کہ وہ پھر
 ہم وہی رائے کے متبادل میں، سنی کی رائے ساتھ ہر حق سے
 زیادہ قرب ہو گی۔

ہم ایک رضی اللہ عنہ کہہ کرے سے کہ ہر شخص کے اقوال اور
 فہم کے موافق ہیں۔ گھر لے بیٹے کے غائب اور کچھ دیکھ دینے کے
 قابل صرف ایک وقت اس لئے ہے کہ سنی ہے اور وہ رسول اللہ
 کی ذات معلوم ہے۔

”حاکم اور معتزلہ ہم سنی سے دوستی ہے کہ وہ دیکھنے
 لگے۔ جب کوئی حدیث یا وصیت کو سمجھ لے، وہی کو میرا صاحب

بھوکھ ایک دوسری روایت میں امام صاحب کا یہ قول منقول ہے کہ جب تم یہ دیکھو کہ میرا قول حدیث نبویؐ کی مخالفت کر رہا ہے تو حدیث پر عمل کرو اور میرا قول قبول نہ کرو۔ ایک روز امام زنی سے آپ سے مرہا کہ ہمارا ہم میری ہر بات کی کو رہا تقلید نہ کرو بلکہ ذاتِ خود اس میں لگو کر لیا کر دیکھو کہ یہ وہی کہتا ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے کہ استاد اور موصول کے مقابلہ میں کسی کی دسے کو کوئی وقعت حاصل نہیں بلکہ میری تصدیق کرو اور نہ کسی اور امام کی جس طرح انہوں نے کتاب و سنت سے احکام دین کی معرفت حاصل کی ہے بھی حاصل کرو کسی شخص کو حوی و بننے کا مستحق نہیں اور تشبہ و امام فرق کے صاحب اور ائمہ سے چھٹا ہیں اتنا رسو گزرس سے کوئی یہ مسئلہ بوجھ گیا۔ جس کے تعلق سے معلوم ہے کہ میں میں وہ تمام شیعہ جن کی عمر پیدائی کی جاتی ہے، تعلق جو دوسرا کہہ سکتے ہیں کہ یہ بائبرت اور وہ نہ جائز ہے کہ نہ کوئی ایسی صورت میں ہی کہ پانچوں اور دوسری دہرہ لکچر لکچر جنہوں کے قول کی تردید ہوگی۔ لیکن اگر مسئلہ یہ ہے جس میں علماء کی باتیں مختلف ہیں تو وہ

اس کے جواب میں یہ ذکر ملتا ہے کہ خلاص نام کے نزدیک یہ جانے
 ہے اور خلاص نام کے نزدیک نامہائے اگر اسے یہ حق نہیں ہے کہ
 بغیر اقبال کو چھوڑ کر کسی ایک نام کے اختیار کے فخری دے
 دے۔ آؤ آگے اس نام کے لئے مذہب کے دلائل سے بخوبی
 باخبر رہو۔

”نام ابو یوسف اور زکریا وغیرہ علماء سے منقول ہے کہ
 جب تک کوئی شخص یہ نہ معلوم کہ کہہ کہہ دے یہ راستہ نہیں ہے
 اخذ کی ہے۔ اس وقت تک وہ ہمارے اقوال پر فتویٰ دینے کا
 مجاز نہیں۔“

”عصام تہن یوسف سے جب کہا گیا کہ آپ امام ابو حنیفہ کی
 رہیں سے اکثر اختلاف کرتے ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ
 اس کی وجہ کھلی ہوئی ہے۔ انہیں جرمہم وہ وقت نظر حاصل
 تھی ہمیں حاصل نہیں ہے۔ دُوب کہ جس گروہوں سے حقائق
 نکالے گئے ہیں وہ ان تک ہماری فکر و نگاہوں کی رسائی نہیں
 ہو سکتی۔“ ہمارے لئے جائز نہیں کہ بغیر اس کے کہ ان کے
 اقوال پر فتویٰ دیں۔“

”ابو یوسف اسلاف اہل سنت سے جو جہاں گیا۔ کیا ایسے شخص کے

کھینچے جو اے شکر کا سب سے بڑا نام ہو، جانتے ہیں کہ ختم ہے
 دوسے سے نہ کہ اسے "انہوں نے جواب دیا کہ اگر وہ نام درجہ پنجہ
 رکھتا ہو تو جائز نہیں۔ لوگوں نے کہا کہ وہ جہاد کب حاصل
 ہوتا ہے؟ جواب دیا کہ جب ایک شخص مسائل کے تمام پہلوؤں
 پر نگاہ رکھتا ہو۔ اور عقربین کو معقول اور سنی بخشش دیدیں
 سے خاموش کر کے تو وہ مجتہد ہے۔"

ابن اصلاح کا قول ہے کہ اگر کوئی شافعی ایسی حدیث پائے جو
 اس کے مزہب کے خلاف ہو تو اسے اپنے علم و تحقیق کا جائزہ لینا چاہئے۔
 اگر وہ اپنے درجہ جہاد کرنے کی پوری استعداد پائے تو اس کے لئے
 ضروری ہے کہ خود کرنے کے بعد اس حدیث پر عمل کرے اور تقلید کا
 خیال نہ کر دے۔ لیکن اگر وہ اپنے آپ کو اس مقام سے فزور محسوس
 کر رہا ہے۔ اور اجتہاد کی طاقت سے بے بہرہ ہے مگر فزور دیکر اسے کے بعد
 کوئی معقول دلیل نہ پائے کی وجہ سے حدیث کی مخالفت بھی اس پر شائبہ
 گزرتی رہی ہے تو بھی حدیث ہی کا اتباع کرنا چاہئے بشرطیکہ امام شافعی
 کے بھائی کسی اور امام نے اس پر عمل کیا ہو۔ کیونکہ اس ضرورت میں اس
 دوسرے امام کا اتباع امام شافعی کے اتباع کا قائم مقام ہو جائے گا۔ یہ
 ابن اصلاح کی رائے ہے اور امام نووی نے بھی اسی کو مستحسن اور مختار

اور وہ بھی مسمیٰ وہ بھی نہیں ہیں اختلاف رائے رکھتے تھے۔ حالانکہ وہ سب کے سب ہنریت کی روشن شاہ راہ پر تھے۔ کون ہے جو ان کے کسی فرد پر کجروی اور سنت نبوی کی مخالفت کا لازم مان کر کہتا ہے ! یہی وجہ ہے کہ علمائے حق مسائل اجتہادیہ میں تمام بابِ اختلاف کے فتوؤں کو جان بوجھ کر اور قضاۃ کے فیصلوں کو تسلیم کرنے سے ہیں اور بسا اوقات اپنے مذہب کے خلاف بھی عمل کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ تم میں ضمیر کے اختلافی مسائل کے بارے میں تمام فرقہ واریت کو دیکھو گے کہ وہ مسند کو بھید کر مباح کرنے اور تمام اختلافی پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کے بعد یہ بھی مراد دیتے ہیں کہ یہ میرے خیال میں حوطہ حقیقہ ہے۔ یہ رائے مختار ہے۔ تیرے میرے نزدیک زیادہ پسند برد ہے اور کبھی ہوں کہتے ہیں کہ ہم تک صرف یہی حکم پہنچا ہے۔ اس کے خواہد ام بسوطہ انکار محمد و انھوں نے فقہی میں بے شمار موجود ہیں۔ یہ وہ باب رک دور تھا جب دین کا چشمہ صافی شقائق و زجاج کے صلیب مزایم سے قریب قریب پاک تھا اور اجتہادی اختلافات جاہلوت کے بے مغز غل کا کام ہمیں دستِ رب سے تھے۔ لیکن اس کے بعد تعصب کا حرفانی سیلاب آیا۔ سنگسار کی وسعت کم ہونے لگی۔ لوگوں نے بقیہ اختلافی پہلوؤں کو صرف نظر کر کے صرف ایک پہلو کو دیکھا۔ اب اختلافات کی رویت پہلی ہی

درسی انہیں ہے سدا بہت سے دی گئی۔ ان کی آڑ میں فرقہ پرستی وجود میں آگئی، لوگوں کا ذوق تحقیق، جو دسے بدل گیا اور وہ اپنے سر کے انچا کر وہ مسلک پر سختی سے جم گئے۔

اور یہ جو بعض علماء نے سلف سے اپنے مذہب پر ہمیشہ قائم رہنے کی تاکید منقول ہے، سو یہ یا تو ایک رجحان فطری کی بنا پر ہے کیونکہ ہر انسان اپنے پیشوؤں اور بزرگوں کی غماز اور پسندیدہ چیزوں کو بڑی قدر اور محبت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ یہاں تک کہ ہم عام رسوم و رواج کے اندر بھی اس رجحان فطری کا مشاہدہ کر سکتے ہیں یا پھر اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے مذہب کے دلائل کی عظمت اور قوت سے مرعوب تھے اور ان کے خیال میں یہ دلائل بہت ہی مضبوط اور قابل تردید تھے۔ یہ اور اسی قسم کی اور وجہیں ہو سکتی ہیں۔ لیکن بعض لوگوں کا یہ خیال کہ تعصب کی سرشاری انہوں نے یہ کلمات کہے محض وہم بیکہ سرسبزیتان ہے۔

اب ذرا ان اختلافات کی اصلیت پر غور کر دین پر فرقہ بندیوں کا محاذ جنگ قائم ہو رہا ہے، اور دیکھو کہ صحابہ، تابعین اور ان کے بعد کے ائمہ سلف نے ہمارے لئے کونسا اسوہ چھوڑا ہے، ان تمام کا حال یہ تھا کہ ان میں سے بعض لوگ ہمہ ائمہ پر تہمتیں لگاتے تھے بعض لوگ نہیں پڑھتے

تھے۔ اگر ان میں ایک جماعت ایسی تھی جسے کہنے اور پہنچنے لگوانے کے بعد تجدید و ضریح ضروری خیال کرتی تھی تو ایک جماعت ایسی بھی تھی جو اس کی سطح ضرورت نہ سمجھتی تھی۔ یہاں اسی قسم کے عیسویوں اختلاف موجود تھے لیکن اس کے باوجود وہ سب ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ کسی نے کسی کی اقتدا سے کبھی انکار نہیں کیا۔ امام ابو حنیفہ اور ان کے تلامذہ اور امام شافعی وغیرہ دینہ والوں کے پیچھے نمازیں پڑھا کرتے تھے حالانکہ اہل دینہ سر سے سہم الشہ پڑھتے ہی نہ تھے۔ نہ ہستہ اور نہ زور سے وہ امام ابو یوسف نے اردن الرشید کے پیچھے نماز پڑھی حالانکہ اس نے جماعت در پہنچنے لگا تھا۔ کے بعد وضو کی تجدید نہیں کی تھی۔

امام ابو یوسف کے مذہب میں کچھنوں کے بعد تجدید و ضریح لازم ہے۔ گو امام مالک کے مذہب میں لازم نہیں ہے ماسی طرح امام احمد بن حنبل جماعت اور تکبیر کو ناقص و ضوابطتے ہیں، لیکن جب ان سے پوچھا گیا کہ کیا آپ ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھیں گے جس نے بدن سے خون نکلنے کے بعد وضو نہ کیا ہو تو آپ نے جواب دیا یہ کہہ کر ہو سکتا ہے کہ امام مالک اور مسیح بن الحسیب کے پیچھے میں نماز نہ پڑھوں! (رحمہم اللہ)

تو ایک یہ چیزیں نوافل و ضعیف سے نہیں ہیں!

روایت ہے کہ امام ابو یوسف اور امام محمد عیدین ہیں خلیفہ

امروں کی روایت سے حضرت ابن عباس کے مذہب کے مطابق پیغمبر
 کہہ کرتے تھے، حالانکہ ابن عباس کا مذہب اس کے خلاف تھا۔
 امام شافعی نے مقبرہ دہم پر ضیفہ کے قریب فجر کی نماز پڑھی تو پھر
 ان کے گناہ اور ادب سے دھمے توڑ کر ترک کر دیا اور فرمایا کہ بسا
 اوقات ہم اپنی عواقب کے مسلک پر بھی مل کر بیٹے ہیں۔

امام ثانی، امام ابو یوسف، اسے متعلق، سزا دینے میں سے آپ نے بعد
 کے روزِ جمعہ میں غسل کیا اور لوگوں کو نماز پڑھانی سنا دیا اور جب لوگ
 اور اہل دھر منتشر ہو گئے تو آپ کو اطلاع دی گئی کہ عمار کے کوس میں
 ایک سو سو اچھا موجود ہے، ام معروف نے جن کو زیادہ دیکھا تو پھر اس وقت
 ہم اپنے مدنی بھائیوں کے مسلک پر عمل کرتے ہیں کہ نبیانی وقتِ سدا
 مقدس میں جو توحہ نہیں جوتا، اس کا حکم یا کثیر کا ہو جاتا ہے۔

امام بخاری سے پوچھا گیا کہ اگر ایک شافعی، مذہب آدمی نے دو ایک
 برس کی نماز چھوڑ دی ہو اور اس کے بعد وہ حق مذہب اختیار کرے تو
 پھر وہ کس طرح نماز کی قضا کرے؟ آیا امام شافعی کے مذہب کے مطابق
 یا حق مذہب کے مطابق؟ جواب دیا کہ میں مذہب کے مطابق اس نے
 قضا کر دیا، سب بشرطیکہ اس کے جو ۷۰ عتق درگت ہو
 جامع عتق وہی ہے کہ اگر اس شخص نے ۷۰ یا ۸۰ عتق ہو، عتق موت

نے نکاح کریں تو اس پر طلاق، اس پر طلاق، یعنی تین طلاقیں دیں، پھر اس نے کسی شافعی المذہب فقیہ سے فتنہ پی چھا اور اس نے جواب دیا کہ اس پر طلاق نہ پڑے گی اور تیسری قسم لغو ہو جاتی ہے تو اس مسئلہ میں امام شافعی کی فتویٰ کرنے میں اس کے لئے کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ اکثر صحابہ کرام کی مانند اسی مسئلہ کو حاصل ہے۔

امام محمد نے اپنی امامی میں فرمایا ہے کہ اگر کوئی فقہ اپنی بیوی کو ان سفلوں میں طلاق دے کہ أنت طالق، البتہ اور وہ اپنے مذہب کے مطابق ایسی طلاق کو تین طلاق یعنی طلاق بان سمجھتا ہو، یہ کہ قاضی وقت فیصد کر دے کہ یہ طلاق رجعی ہے، تو اس کے لئے رجعت کرنے کی گنجائش ہے۔

اسی طرح تحریر تحلیل اور معاشرۃ اور لین دین کے ان تمام معاملات میں جن کے اندر رقبا اور رائے کی رائیں مختلف ہیں ہر فقہ پارام ہے کہ اگر واقعہ دیکھے اس کے مذہب فقہی کے خلاف فیصد ہو تو وہ اپنی رائے اور اپنے مسلک کو چھوڑ کر قاضی کے فیصد پر عمل کرے۔

چند مسائل اور میں جن کی اصلیت کے بارے میں ایک عام اور عجیب غلط فہمی پیدا ہوئی ہے اور حقیقت یہی غلط فہمی موجودہ اختلافات کا سرچشمہ ہے۔ ہم انہیں یہاں مختصراً بیان کرنا چاہتے ہیں۔

لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ فقہ کی وہ تمام تصریحات جو من لہی اہی شرعوں اور فتاویٰ کی معنی مولیٰ کن ہوں ہیں موجود ہیں سب کی سب امام ابو حنیفہ اور صاحبین رحمہم کے اقوال ہیں۔ وہ من اقوال ہیں یہ تمیز نہیں کرتے کہ فلاں قول ان آنکا کا واقعی قول ہے اور فلاں قول ان کی راہیں اور فتوے کو سامنے رکھ کر بعد میں مستنبط کیا گیا ہے اور یہ جو ان کتابوں میں "علیٰ تحریر علیہم" اور "علیٰ تحریر علیہم" کے الفاظ آیا کرتے ہیں ان کو وہ گروہ سے معنی سمجھتے ہیں اسی طرح ذال ابو حنیفہ کہ "ذال ابو حنیفہ" کے مذہب کے مطابق مسئلہ کا جواب یوں ہے کہ "نہ میان وہ کوئی فرق و امتیاز نہیں کرتے۔ اور ابن الامام اور ابن القیم وغیرہ محققین حنفیہ کا مسئلہ وہ دور وہ اور مسئلہ شرط تیمم لہ اور ایسے دوسرے مسائل کے بارے میں یہ فرما کر کہ "اس میں امام ابو حنیفہ کا قول نہیں ہے بلکہ بعد ازاں کی تحریجات ہیں" ان کے نزدیک بالکل ناقابل اعتناء ہے۔

اسی طرح بعض ارباب علم و شجاعت اس دہم میں مبتلا ہیں کہ مذہب حنفی کی بارہ نئی بدلی جٹوں پر قائم ہے۔ جو المستوطۃ الحدادیہ اور فقہین کے صفحات میں پھولی ہوئی ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ ان کے مذہب کی بنیاد جٹوں

لے غلط ہے ہاں اس کی اجازت اس وقت مل سکتی ہے جب کہ کوئی پانی سے بچا۔
گورنر مدد ہے۔

پر نہیں ہے، اگر اس طریق بحث و مہل کے باقی دراصل معتزلہ ہیں جسے
مناظرین نے، اس خیال سے اختیار کر لیا تھا کہ اس سے طلبہ کے دہم میں
تیزی اور وسعت پیدا ہوگی اگرچہ ان کی تہا بار آمد نہ ہوئی اور ان کے
اس حزم و عمل نے وہاں کو جہاں وسعت دینے کے بجائے انہیں بے بسیرگی
اور تعصب کی ننگنا تہل میں گھیر کر ناکام بنا دیا۔

بیسویں صدی میں امام احمد رشک کی تردید میں بھی گفتگو نہیں کرنی چاہیے
کیونکہ اس باب کی تفسیر میں جو کچھ ہم بیان کر چکے ہیں اس کی مدافعت
ان میں سے اکثر کا خود بخود انا لکھ دیتی ہے۔

(۲) بہت سے لوگ اس غلط فہمی میں پڑے ہوئے ہیں کہ امام غزالیؒ
اور امام شافعیؒ کے اختلافات کی اساس وہ اصول ہیں جو اصول جہودی
وغیرہ کتابوں میں درج ہیں حالانکہ ان میں سے اکثر اصول ایسے ہیں جن کا
ذکر ان جہود میں نہیں کیا۔ بلکہ وہ ان کے اقوال و قرائن سے لے کر
مذکورہ بعد میں وضع کئے گئے ہیں، مثلاً مسیح کے نزدیک نفس کے حسب ذیل
اصول ان کے کلام سے بعد و لوں نے نکالے ہیں اور امام غزالیؒ و امامین
سے کوئی صحیح روایت ایسی منقول نہیں ہے یہ انہوں نے ذکر نہیں کیا۔
”خاص اپنے حکم میں خود خارج اور مستثنیٰ ہے اس کے ساتھ کوئی تشریحی
بیان حق نہ کیا جائے گا۔“

”مکی حکم پر ماضی اس حکم کا نسخہ ہے۔“
 ”خاص کی طرح عام بھی قطعی ہے۔“
 ”کثرات مذاقہ لازمہ ترجیح نہیں۔“
 ”غیر فقیر مادی کی رعایت اگر اصول و قیاس کے خلاف ہو تو واجب العمل نہیں۔“

”مفہوم شرطیہ مفہوم وصف کا کوئی اعتبار نہیں۔“
 اس قسم کے مسئلے اصول فقیر ایسے ہیں جن کی تعیین و نقد و رفع سے اگر کوئی تعلق نہیں اور ایسے اصولوں کی محافظت کرنا اور ان پر وارو ہونے والے اعتراضات کو بڑے تکلفات کے ساتھ دفع کرنا متفقین کا طریقہ تھا۔ اس کی بھی فطرت و دانشت جمادی تو جسکی اسی قدر سخت ہے جس قدر ان کے خلاف اصول و فقہ کی۔ اگر ان پر وارو ہونے والے اعتراضات کا جواب دینے میں تکلف سے کام لیا جائے جیسا کہ عام لوگوں کا شیوہ ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ دوسرے اصول کو اس جوئی محذات سے محروم رکھ دیتے۔

اب ہم چند مسائل میں سے کراس حقیقت کو واضح کرنا چاہتے ہیں۔
 اول ان محذات سے یہ اصول قرار دیتے کہ کثرت نامی بنے حکم میں واضح ہے کسی تشریحی جہان کو اس کے ساتھ ملحق نہ کیا جائے گا یہ قاعدہ اصل

مستندین کے اس فعل سے نکالا گیا ہے کہ انہوں نے آیت **وَالْمُحْذَرُونَ** کو
 کی بناء پر نہ زیں صرف رکوع و سجود کو فرض قرار دیا اور المہینان کو فرض نہیں ٹھہرایا
 مدافعیہ کہ حدیث میں یہ ارشاد سرحدی تھا کہ آدمی کی نماز نہیں ہوتی جب تک
 وہ رکوع و سجود میں اپنی پیٹھ کو بھری طرح ٹھہرائے نہیں ۔ اس ایک معاملہ
 میں مستندین نے جو مسلک اختیار کیا اسٹاخرین نے اس سے ایک نیا
 کلیہ وضع کر لیا۔ مگر دیکھ کر مستند معاملات میں وہ خود اپنے مقرر کئے ہوئے
 اس قاعدے کو کس طرح توڑتے ہیں :-

آیت **وَالْمُسْحِقُونَ** میں مسحوق میں محض سر مسح کرنے کا حکم ہے
 اس کی کوئی حد مقرر نہیں کی گئی ہے۔ **وَالْمُسْحِقُونَ** کا لفظ خاص ہے
 خاصۃً مذکور کی رو سے چاہئے تھا کہ سر کے مسح کی یہ حق فرضیت کا نشانہ
 دیا جائے۔ لیکن خفیہ یاں اپنے اس قاعدے کی پابندی نہیں کرتے۔ اہ
 اس حدیث کی بنا پر جس میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
 نامہ کا مسح فرمایا مسح کے لئے سر کے چھائی حصہ کی حد مقرر کر دینے
 ہیں۔ سوال یہ ہے کہ یہاں حکم خاص کے ساتھ اس کی تشبیہ کو کیوں
 ملحق کیا گیا ؟

قرآن کا حکم ہے حد لفظ خاص کے ساتھ ہے کہ زانی اور زانیہ کو
 کوٹے مارو و ذکرہ بال قاعدہ کا اقتضا تھا کہ شادی شدہ اور غیر شادی

خدا سب کو ٹٹے ہی ارے کی مڑوی باقی۔ مگر جی مانف مدیش کر
اس آیت کا بیان مانتے ہوئے فراتے ہیں کہ غیر شادی شدہ کو تو ٹٹے
مارے جائیں لیکن شادی شدہ جو دم کو سنگسار کیا جائے کیا یہ لفظ غامض
کے ساتھ تشذیع کا اہماتی نہیں؟

آیت آلتاریقی والشاریفة فَاَقْطَعُوْا اَنْفُسَكُمْ مِنْ اَمْتٍ
چند کا ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے۔ قاعدہ مذکور کے مطابق پاپے تھا کر ایک ماہ
کی چھٹی پہنچے ہاتھ کاٹ ڈالا جانا، لیکن پاپے مقرر کئے محض اٹھل کو ہٹانے
طریق سے گراخی حضرت نے دس دھم کی شرط لگائی اور حدیث کو آیت
کا بیان قرار دیا۔

طلاق مغلطہ دینے کے بعد شوہر اگر از میرزا مغلطہ کو اپنے نکاح میں
لا، چاہے تو ذر من حنفی منکحہ ساری چاہے کبریا کے مضاف کے ساتھ
حکم دیتا ہے کہ یہ مرنہ اس وقت ہو سکتا ہے جبکہ اس کے خلاف دینے
کے بعد کوئی دوسرا شخص اس عورت سے نکاح کر چکا ہو۔ اس حکم کا غلط
یعنی منکحہ فاسد ہے۔ جو اپنے متعارف مفہوم میں ایجاب و قبل تک
محدود ہے۔ پس آیت سے مرنہ اپنی شرط نکلتی ہے کہ وہ عورت کسی
دوسرے مرد سے نکاح نہیں ایجاب و قبل کوئے۔ لیکن فقہائے حنفی
نے حدیث حنفی تذوق عسولتہ و میدوق عسولتہ

مگر اس حکم کا بیان تسلیم کر کے نکاح کے ساتھ یہ شرط بھی لگا دی کہ دوسرے شوہر اس عورت سے جاملے بھی کرے۔

بناؤ ان مثالوں میں اصول 'الخاص مبین' کا معلقہ البیان' کا کتنا لحاظ کیا گیا ہے؟

اب، قرأت نماز کے ضلع نص قرآنی کا قیود و محاذات میں
 القرآن میں: مَا تَشْتَكِرُ کا عموم پا چتا ہے کہ جتنا بھی اور جہاں سے
 بھی قرآن پڑھ لیا جائے جو جائے گی۔ اور حدیث کا صلوة الا بعد الخ
 انکیکاب کا لفظ ہر ہی ضوم پا چتا ہے کہ سورہ فاتحہ کی قرأت ہر رکعت
 میں فرض ہے۔ لیکن قدامت آیت کے عموم کو اپنی جگہ رکھا اور حدیث
 کو اس کا مخصص نہ مانتے ہوئے فتویٰ دیا کہ قرأت فاتحہ فرض نہیں ہے
 اسی طرح بعض اور اقوال سے متاخرین نے ایک کلی اصول پر مستنبط
 کر دیا کہ انعام قطعی کا لفظ 'بیشی لفظ عام' اپنے حکم و مضمون
 میں خاص کی طرح قطعی ہو چکا ہے۔ اس کا عموم تخصیص کا منحل نہیں بلکہ
 وہ ایک مستقل حکم ہوتا ہے۔

اس اصول کو ان صاحبان کو کرت قدامت استیسیہ الحدیث
 کے عموم کو بھی قطعی مان کر کہا جاتا کہ ہر معمولی جہی حدیث بھی ہر آسانی و سہولت
 کے قریبانی کے کام آ سکتی ہے کیونکہ قدامت استیسیہ کا لفظ عام ہے

اس نے اس کے مدول اور مقصود میں بھی غور اور دقت کو بڑی دیکھنا چاہئے لیکن امان حدیث سے خود ہی تخصیص فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمدی کے لئے بکرا یا بکرے سے بڑا کوئی جانور ہونا چاہئے۔ کیا یہاں لفظ نام کی قطعیت غاس کی طرح قائم رہی؟

دس، صہل شرکی ایک حکم دہدیہ بھی ہے کہ "لا عبورہ بمفجورہ" الا شوط والموصف یعنی اگر کوئی حکم کسی غاس مرقع پر دیا گیا ہو تو اس حکم کے اطلاق میں اس غاس مرقع کی خصوصیات اور شرائط کا استہداد کیا جائے گا۔ یہ قاعدہ دراصل سف کے اس مسلک سے نکالا گیا ہے جو انہوں نے آیت "فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ طَبِيعًا مِّنْكُمْ طَوْفًا" کے بارے میں غلط کیا ہے۔ اس آیت کا ظاہری مضموم یہ ہے کہ جو لوگ آزاد عورت سے نکاح کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے اور بوجہ ناداری، اس کے اخراجات کے متکفل نہیں ہو سکتے وہ لونڈی سے نکاح کر سکتے ہیں۔ لیکن متقدمین نے اس شرط عدم استطاعت کو قید جازد مانتے ہوئے ذی استطاعت اور صاحب نفقت انسان کو بھی لونڈی سے نکاح کی اجازت دے دی۔ ان کے اس فتویٰ سے مستند بالامثل مستنبط کر لیا گیا۔

لیکن آؤنٹ کی روایت کے بارے میں یہ لوگ خود اس اصول کو توڑ دیتے ہیں نص کے الفاظ "فی الزانی السائمۃ ذکوة" ہیں جن میں یہی قید

شرط کو کہ ہے۔ اصول مذکور کے لحاظ سے چاہئے تھا کہ سائر اور غیر سائر ہر نوع کے اوتھوں میں زکوٰۃ فرض قرار دی جاتی اور اس فقہ الشافعی کے مضموم حکم کو مقید کیا جانا اگر دیکھا نہیں کیا گیا اور صرف چنے والے اوتھوں میں زکوٰۃ کی فرضیت کا فتویٰ دیا گیا۔

(۵) حدیث مقررہ (میں کی تفصیل پیچھے گندھکی ہے) میں امتہ سلف نے جو مساک، ختیار کیا تھا اس کے پیش نظر مسکین نے یہ نئی اصول بنالیا کہ جب کوئی غیر فقیر راوی کسی ایسی حدیث کی روایت کرتے جو قیاس سے متصادم ہوتی ہو تو وہ جب اصل نہ ہوگی، مگر انہیں دو ضعیفین اصول نے حدیث فقہ کے جو خلاف قیاس بھی ہے اور غیر فقیر راوی کی روایت بھی نہ جب اصل بنا اور فتویٰ دیا کہ مانہ میں بازار بند ہونے سے بازار ٹوٹنے کے ساتھ ساتھ وضو بھی ٹوٹ جاتا ہے۔ حالانکہ وضو و قہر کے کوئی تعلق مسنوی اب تک نہ رہا قیاس میں نہیں آسکا۔ اسی طرح اظہار صوم کے بارے میں بھی یہ اصول ہر پشت ڈل دیا گیا۔ نہ ہر ستر کہ جب کھانا اپنا روزہ کو توڑ دیتے ہیں تو پہلے بھول کر کھادیا جسے یا عمدہ یا ہر حال روزہ ٹوٹ جاتا چاہئے لیکن اس کھچے ہوئے قیاس کو انہوں نے ایک ایسی حدیث کی وجہ سے ترک کر دیا جو خلاف قیاس بھی ہے اور غیر فقیر راوی کی روایت بھی۔

صاحب نکر کے لئے یہ چند اشارات کافی ہیں، درخشاں کے شواہد ہشیار
 ہیں جو بتاتے ہیں کہ ان اصولوں کی حقیقت کیا ہے اور محمد ان کے
 حامی ہیں جن کے کس طرح ان کی خلاف ورزی کی ہے۔ پھر جب اس خلاف
 ورزی پر اعتراض کیا گیا تو اس کا جواب انہوں نے جن مختلف
 اور متن پر دہریوں کے ساتھ دیا ہے ان کی دہشتان بھی ہر ناظر ان کی
 کتابوں میں دیکھ سکتا ہے۔

مسئلہ کی اصل حقیقت بالکل بے نقاب ہو سکتی ہے اگر تم صرف
 ایک ہی قاعدہ کے متعلق طلب تحقیق کی تصریحات دیکھو تو وہ فرماتے
 ہیں کہ شرط نقابیت والے اصول میں دو مذہب ہیں ایک تو صیغی بنیاد
 کا ہے جن کے نزدیک غیر ختمہ راوی کی معایت منابطہ اور مبادل ہونے
 کے باوجود نقاب قیاس ہونے کی صورت میں گناہ جب حاصل ہے اور
 اکثر مفسرین نے اسی رائے کو اختیار کیا ہے دو مسلک مذہب امام کریم کا
 ہے جن کے نزدیک خبر واحد کے قیاس پر مقدم ہونے کے لئے ظنی کافی
 ہونا شرط نہیں۔ حدیث ہر حال قیاس کے مقابلہ میں واجب اناجیل ہے
 بہت سے علماء نے اسی دوسری رائے کو مانا ہے۔ چنانچہ وہ صاف
 مظلوموں میں فرماتے ہیں کہ

”ہم قول یہی قول اولیٰ ہمارے اور سے منقول نہیں۔ ان سے

تو یہ مغضول ہے کہ غریبہ حد قیاس پر مقدم چاہی گی، تم نہیں دیکھتے کہ
انہوں نے بھول کر کہہ دیے ہیں، وہ تو ڈاکو کے ضلع حضرت پرہیز
کی سواہیت کو واجب، اصل تسلیم کیا ہے حالانکہ یہ اہل بیت قیاس کا خلاف
تھی یہاں تک کہ امام ابوحنیفہ نے عرض کیا کہ اگر یہ حدیش صحیح ہو تو میں
قیاس کو اختیار کرتا ۵

خود اہل ناسخین کا اکثر تخریجات میں مختلف ہونا اور ایک دوسرے
پر احترام کرنا ہمارے خیال کی ایک ناقابل تردید شہادت ہے۔
(۱۳) ایک نقطہ بھی اور ہے جس کا اندازہ ضروری ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ
فقہ ہست کے لحاظ سے محض دو گروہ ہیں، ایک اہل الظاہر، دوسرے اہل الزائے
اور شخص بھی قیاس اور استنباط کے کام لے رہا ہے اہل الزائے میں سے ہے حالانکہ
حقیقت سے یہ اتنا ہی بے خبری ہے خط تراوی کا مفہوم نہ تو اس عقل و فہم کے چکر
کئی عالم اس صنعت سے خارج نہیں نہ رائے کا مطلب وہ رائے محض ہے جس کا رشتہ
شکت سے منقطع ہو کر نہ بھی رائے کوئی متبع اسلام اختیار نہیں کر سکتا۔ اور
نہ رائے سے مقصود قیاس و استنباط کی قسمت ہے کیونکہ امام حماد و اہل حق
کلام میں شافعی کا بھی اتفاق اہل رائے میں شمار نہیں، حالانکہ وہ قیاس سے بھی
کام لیتے ہیں، اور مسائل کا استنباط بھی کرتے ہیں۔ دینی اوزار اہل رائے کا مفہوم
ان تمام سے جدا گانہ ہے۔ اہل الزائے کہتے ہیں، ان لوگوں کو جنہوں نے جہود

معین کے متفق ہیں مسائل کے بعد فروعی اور اخلاقی مسائل میں کسی نام کے
 اقوال و امور کو سامنے رکھ کر تخریج و مستطابہ پر نگہا کر لیا، ان قدر بات و آثار
 کے متعلق سے تکرر یا بے نیاز ہو کر اصل حقیقت کی مدد سے جو نیا ت نکلتے گئے
 وہ اصل مسائل کے وقت خصوصاً آثار و مسکن کی طرف ملاحظہ کرنے کے کیئے
 زیادہ تر یہ دیکھتے ہیں کہ یہ سونو فقہاء کے ٹھکانے کہئے اصول میں سے کس کس کثرت
 آئے ہیں اس کے اشیاء و نظائر کیا ہیں، کس مسئلہ کی نکتہ اس میں ہونی چاہی ہے
 ان کے مقصد میں ظاہر و دلوک ہیں جو مذاہب سے کام لیتے ہیں اور یہ آثار
 صحابہ اور اقوال تابعین سے جیسے امام داؤد اور ابن زہب ان دونوں گروہوں کے
 درمیان محققین الی سند کا گروہ ہے جیسے امام احمد، امام اسحاق
 یہ بحث اگرچہ اس تفصیل و احاطہ کے ساتھ عرض کرنی کتاب سے خارج
 تھی لیکن اس کے باوجود نہ ہی فرقہ آرائیوں کو موجود و غفشاء و رقیقہ تب ال
 سے عام یہ خبری کو نہ سمجھ کر اس نے مزوری کو اگر اس واسطہ کہ غلط جو
 میں گم ہو گیا ہے، اس کو ازراہ و ضرر یا اور تعصب کی آنکھوں سے نہ ان
 کو رہا یہ لوگ سے سے پس روں۔ اصل پسند ارجح تعصب کے نے
 میں کافی ہے، تعصب کے نے کہ بھی کافی نہیں وَرَبَّنَا اَلْزَحْزَحْ
 الْمُبْتَغَانِ عَلٰی مَا نَحْنُ بِمَعْرِكَ

اسلام کا فلسفہ عمران

انسان اس لحاظ سے حیوانات کا شریک حلال ہے مگر اس کو بھی دوسرے
 جانوروں کی طرح غذا اور پانی کی حاجت اور ناسل کی سروری اور گرمی سے
 بچنے کی "اور ایسے ہی دوسرے طبیعی امور کی حاجت ہے اللہ تعالیٰ نے ان تمام
 علامات کو ہمارے کسب اسباب و وسائل انسان اور حیوان دونوں کے لئے فراہم کر
 رکھے ہیں اور پھر وہ اللہ ہی ہے جو ہر ایک نوع حیوانی کو اس کی مخصوص نوعیت
 کے مطابق طبعی طور پر تمام کرتا ہے کہ کس طرح ان اسباب و وسائل سے کام لے
 اپنی حاجت پوری کرے شوق شد کی کمی کو تمام کرتا ہے کہ کس طرح چھوڑے
 جس طرح سے کس طرح شہد جائے کس طرح حشر تیار کرے کس طرح پتے بنی
 نوع کے "تخلی کر رہے " اور کس طرح اپنی ملک کی امانت کرے اسی طرح وہ
 پھر ان کو تمام کرتا ہے کہ وہ اپنی ٹھوک کو دفع کرنے کے لئے کوئی چیز کس طرح کھائے

اپنی پیس کو رنج کرنے کے لئے کیا چیز کس طرح ہے، اپنی جان بچانے کے لئے نبی اور شکرے کے مقابلے میں کیا تدبیر کرے۔ اپنی نوح کو باقی رکھنے کے لئے زار واد کس طرح ملیں، کیسے گھونسا نہاں چڑیا نہڑے دینے اور سینے کا کام اور چٹان افراتفرہ کرنے کا کام کیسے کرے، پھر سب سے پہلے تو وہ ان کو کس طرح پائیں اور کب تک چلنے پوسنے اور ان کی مخالفت کرنے کا فرض انجام دیں، اسی طور پر ہر نوح کے لئے ایک شریعت ہے، ایک طریقہ ہے جس کو فرما فرما اس نوح کے ایک شخص کے سینے میں بطریق اہم اندر دیا جاتا ہے اور یہی سائر انسان کے ساتھ بھی ہے کہ اس کے مقتصد نے فطرت کے مطابق اس کی ساخت بنائی گئی اور اس کی ماحولیت پر اس کے لئے سبب و وسائل فراہم کر دیئے گئے اور پھر اس کو سامک کیا کر وہ کس طرح ان اسباب و وسائل سے کام لے کر اپنی ان ضرورتوں کو رنج کرے۔ کراسان کی زعمی خصوصیت، انسانی کی انسانیت، اس کے اقتضا سے ہیں، انہیں اس کے لئے ایسی رکھی گئی ہیں جو دوسرے حیوانات کے لئے نہیں ہیں۔

ایک ایک اس کی ماحولیت محض طبعی حیوانی نہیں ہیں بلکہ وہ من سے بالاتر چیزوں کی، جن میں بھی اپنے اندر پاتا ہے اس کو محض طبیعیاتی ماحولیات مثلاً محبوبک، ہوا، شہوت وغیرہ ہی مل رہی ہیں، انہوں نے، بلکہ محض روحانیت

بھی ہیں جو اسے کسی ایسے نفع کی طلب کسی ایسے نقصان سے بچنے کی کوشش پر ابھارتے ہیں جس کا نقصان حاصل کرتی ہے نہ کہ حیوانی طبیعت۔ مثلاً ایک صلح نظام تمدن، جھگڑا ہے، تکمیل اخلاق اور تہذیب نفس کی پیاس اپنے اندر محسوس کرتا ہے، اور دوسرے مفصلوں کا تصور کرتا ہے اور ان کے لئے قریب کے نقصانات گوارا کرتا ہے، عید نقصانات کا اور انک کرنا ہے اور اس سے بچنے کی خاطر قوی فائدوں اور منفعتوں کو قربان کر دیتا ہے، غرت اور خرف اور جہل اور خیر و غیر عقل امور کے متعلق نظریات قائم کرتا ہے اور ان کی طلب میں سعی کرتا ہے۔

دوسرے وہ کہ اس کی فطرت حیوانات کی طرح محض اپنی مابہات پروری کرنے اور ان کے لئے اسباب و وسائل سے کام لینے ہی پر قناعت نہیں کرتی بلکہ ہر چیز میں لطافت اور حسن و خوبی کی طالب ہوتی ہے، اور اس کے بھی کسی حامل مرتبہ کو پہنچ کر غصہ جانے پر راضی نہیں ہوتی بلکہ ہر مرتبہ کے بعد کمال تدریج کے لئے بے چین رہتی ہے۔ مثال کے طور پر حیوانی حاجت محض غذا ہے تاکہ بھوک رفع ہو اور زندگی برقرار رہے۔ مگر انسانی فطرت اس کے ساتھ لذت کا مہرہ بھی دے دیتا ہے اور فطرتی و نظریاتی، مانگتی ہے۔ پھر تنوع کے لئے بے قرار ہوتی ہے۔ اسی طرح وہ صرف ہنس نہیں بلکہ ہنس، غصہ، مزہ، کھنکھانی، کھنکھانی، کھنکھانی اور صرف منف مقابل نہیں بلکہ اس کا میں کچھ نرود حاصل کرنا چاہتی ہے۔

جیسے یہ کہ میں طرح انسانی عبادت کی نوعیت حیوانی عبادت کی نوعیت سے مختلف ہے اس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے امام کی کیفیت بھی انسانی کے خلاف ہے۔ امام سے مختلف ہے جو حیوانات پر ہوتا ہے حیوانات کے خلاف نوع انسانی کے سب افراد پر سب ماحولوں کے بارے میں یکساں اہم امور نہیں ہیں بلکہ مختلف قسم کی عبادت کے مختلف اوقات میں مختلف قابلیتوں کے لوگوں پر مختلف طرز کے اعمال ہوتے ہیں جن سے وہ سے کہ انسان وغیرہ تر اور عمل کے طریقے، اجتماع کا استنباط کر سکتے ہیں عبادت سے سے بعض انسانوں کے سینے میں گھنٹیں بھی نہیں، اور بعض کے سینوں میں گھنٹیں ہیں۔ پھر جو عبادت عبادت سے انسانوں کے سینے میں گھنٹیں ہیں ان کو پور کر کے کا طرقت یا سنر طرقت میں مس کو امام نہیں ہو جاتا، بلکہ کسی ایک پر امام ہوتا ہے اور پھر دوسرے انسان اس سے وہ طرقت اخذ کرتے ہیں میں انسانی زندگی میں نئی ماحول کا اضافہ ہوتا ہے، ان کو پورا کر کے طرقت نکلتے ہیں، اور پھر کچھ طرقتوں سے بہتر طرقت نکلتے کا سبب، مثلاً یہ ہیں جن خصوصیات وہ اصل انسانی تمدن کی میزبانی، اور اس کے اختلاف و تنوع اور اس کے نشوونما و ارتقاء کی بنیاد ہیں، اب اگر وہ خود سے کچھ جانتے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان جنوں خصوصیات کی بنیاد پر قدرتی اسباب و وسائل سے انسان کے استغاثہ اور اہم انہی کی رہنمائی کے دو درجے ہیں۔

پہلا حصہ وہ ہے جس کو انسانی زندگی اور حریت کا بنیادی ڈھانچہ
 کہنا چاہئے۔ اس کے بڑے بڑے ارکان ہیں، ادا خانے مافی الضمیر کے لئے
 زبان کا استعمال۔ کائنات، اسلحہ اور برتنوں کی صنعت اور لاکھوں کا استعمال۔
 روغت، ہاغبالی اور آبپاشی وغیرہ۔ کھانے کی صنعت۔ لباس کی صنعت
 مساکن کی صنعت۔ جانوروں کو سونکا اور انسان سے مختلف کام پسند
 عورت اور مرد کے درمیان مستقل تعلق جو منزلی زندگی کی بنیاد پر مختلف
 مباحات و ضروریات کے لئے انسان اور انسان کے درمیان اجناس یا
 اصول یا محنت وغیرہ کا تبادلہ۔ قیام امن اور حفظ معاملات کے لئے قانون
 اور فصل خصوصیات کی ضرورت۔ حفظ صحت اور تفریح کے لئے دوا
 اور علاج۔ دیکھی معاملات کا نظم قائم کرنے اور بیرونی محلوں کی مدافعت کرنے
 کے لئے ایک ریاست کا قیام۔ یہ وہ چیزیں ہیں جو قانونمدن سے کسی نہ
 کسی صورت اور کسی نہ کسی ترتیب میں انسانی اجتماعات کی جزو لا ینفک رہیں
 اور اس لئے ہیں کسی نہ کسی مرتبے کے اہدات انسان پر ہمیشہ ہوتے رہے
 ہیں جن کی رہنمائی سے انسان فائدہ اٹھاتا رہا ہے اور اٹھاتا رہے۔

دوسرا درجہ اس سے بالاتر ہے اور اس کو تمدن کی صورت فرمائی گئی
 چاہئے جس میں اُس کا شُعب یا قیام نمودار ہوتا ہے۔ اس درجہ میں اُس دقیق
 محنت اور اس طلب مقنولات اور تجربے کنال کا ظہور ہوتا ہے جسے

جہنے غرضیات، انسانی میں شمار کیے۔ یہاں انسان اپنے معیارِ عطا
 اور اپنے اور پاک معقولات، اور اپنے تصورات کمال کے مطابق کھانے
 پینے اور رہنے، اٹھنے بیٹھنے، اٹھنے چلنے کے مختلف آداب اختیار کرتا
 ہے۔ مانتے باس اور اپنے مسکن کو اپنے اسبابِ زندگی اور اپنے برتاؤ
 میں شائستگی، ہدایت اور زینت کے کچھ اصول معین کرتا ہے۔ اپنے
 تمدنی مسائل کو خواہ وہ تدریجاً منزل سے تعلق رکھتے ہوں، یکسب مسائل
 سے یا سیاست حل سے یا فصلِ خصوصیات سے متعلق ہوں، بہتر
 طریقہ پر سرانجام دینے کے لئے کچھ اخلاقی اصول وضع کرتا ہے۔ اور ان
 اصولوں کے مطابق ضابطے اور قوانین اور اطوار بناتا کرتا ہے۔ اس
 درجہ میں وہ جسم کے اہام انسان کو دور مستوں کی طرف چلانے کی کوشش
 کرتے ہیں۔

ایک اہام شیطانی، ہواشام اور جاحشوں کو خود غرضی نفس
 پرستی، بیش پسندی، لذت طلبی، تنگ نظری، منفعت خراشی، بغض
 حسد، ظلم، شقاوت اور بے اعتدالی کی طرف راغب کرتا ہے۔ رعایت
 کے معیار، معقولات کے اور پاک اور کمال کے تصورات کو غلط راستوں
 پر ڈال دیتا ہے، تمدن کی صورتِ نوعی میں ظاہری چمک دمک مگر باطنی
 فساد اور جہانگاہی پیدا کرتا ہے۔

دوسرا اہم بابائی بر لطافت کا صحیح معیار، معقولات کا تسلیم و راک اور کمال کا انحصار فطری تصور دیتا ہے اور اسی کے مطابق شائستگی، طہارت، زینت اور حسن تدبیر و حسن معاشرت کے آداب و اطوار معین کرتا ہے۔

ان بنیادی کو ذہن نشین کرنے کے بعد آگے بڑھو۔ انسان اپنی جس فطرت کی بنا پر تمام انواع حیوانی سے مختلف ہے وہ انتفاع کے پہلے درجے پر واقع نہیں رہتی بلکہ بالا اور بالا ارادہ دوسرے درجے کی طرف پیش قدمی کرتی ہے۔ شائستگی کی کوئی نہ کوئی صورت، کمال کا کوئی نہ کوئی منتہا، اور حسن کا کوئی نہ کوئی معیار ضرور ایسا ہی ہوتا ہے جس کی وہ فریفتہ ہوتی ہے اور اس کے لئے تامل کرتا ہے کہ اس میلان و رغبت سے اپنے آپ کو خالی کرے۔ اسی درجہ میں انسانی چہرے کو اس امر کی ضرورت پیش آتی ہے کہ کوئی حکیم بنی رہ جائے کہ جو ان کی حاجت کو سمجھتا ہو اور اس حاجت کو پورا کرنے کا طریقہ ان کو بتاے یہ رہنمائی کرنے والے حکماء و معلم کے ہوتے ہیں ایک وہ ہونا چاہئے اور قوت فہم و ادراک سے حکمت کا استنباط کرتے ہیں۔ دوسرے وہ جن کے نفس میں اتنی زبردست قوت ملکیت ہوتی ہے کہ وہ بہت دیر سے اس علم و حکمت حاصل کرتے ہیں۔ دوسرا گروہ پہلے گروہ سے، نفس سے، اس کی رہنمائی زیادہ قابل وثوق ہے۔ اور

لے انہیں بہت دقت

اسی کی بدولت سے انسان اپنی فطرت کے مقتضی کو زیادہ صحیح اور مکمل طور پر پہنچ سکتا ہے۔ کیونکہ پہلے کروہ کے کام میں حکمت کے ساتھ جہل اور شیطانی وسوسوں کی آمیزش بھی ہو سکتی ہے اور ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے لوگ اعتدال تک نہیں پہنچ سکتے۔

پھر متفلسف کا خبر جن تمدنی صورتوں اور طوطیوں میں جڑتا ہے ان کے اندر مفاسد محسوس ہوتے ہیں اور ان مفاسد کے ٹھکے کا راستہ جس طرح نکلتا ہے کہ ایک طرف جماعت کی رہنمائی و سیادت ایسے لوگوں کے ہاتھ میں رہتی ہے جنہوں نے عقل نگاہ سے بہرہ نہیں پایا ہے اور لوگ صحیح رہنمائی یا شیطانی اعمال اختیار کر کے جماعت میں ان کو رواج دیتے ہیں اور دوسری طرف جماعت میں کثیر تعداد ایسے لوگوں کی ہوتی ہے جو ان زمینوں کی پیروی کرتے ہیں۔ ان مفاسد سے تمدن کو پاک کرنے کے لئے بھی ایک طاقت و شخصیت کی ضرورت ہوتی ہے جسے فیہی تائید حاصل ہو اور جو سلطنت کھیت کی تاحی بھی ہو اور والدین بھی رہا کہ زندگی کے باطل طور پر جنہوں کو یہی غیر تمدنی تدبیروں سے حق کی طرف پھیر دے جو بھڑ تائید فیہی کے آئی سے ہی نہیں آتیں۔

انبیاء علیہم السلام کی ہمت کا مقصد یہی ہے کہ لوگوں کو خدا کی زندگی و عبادت سکھانے کے ساتھ ان کو صحیح طور پر دنیا میں کام کرنے کے اصل

ہم نے جہیں، وہاں کی زندگی کے فاسد طریقے شادیے جہیں ۔
 چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بعثت ملحق بعدہ، زلف میں
 ابو و سب کے آہ نکوٹانے آئیں اور یہ کہ بعثت لا تقسم
 مکا و مہ الا خلا ف ریح ملام اضوق کو درجہ کمال تک پہنچانے
 آیا ہوں، اسی حقیقت کو ظاہر کرتا ہے کہ کھلی کا کام عقائد و عبادات کی
 تعلیم دینے کے ساتھ تمدن کی اصلاح بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ مرضی
 بزرگ نہیں ہے کہ لوگ اسباب عالم سے کام لینا چھوڑ دیں۔ انبیاء
 علیہم السلام بھی کتنی ہی تعلیم نہیں دی اور مدد عانی ترقی کا راستہ
 ہرگز نہیں سے ہوا کہ ان لوگوں نے گمان کیا ہے جو سرے سے تمدنی
 و اجتماعی زندگی کو چھوڑ کر جنگوں اور پادشاهوں کی طرف بھاگ جاتے ہیں
 اور وحوش کی سی زندگی اختیار کرتے ہیں۔ اسی بنا پر جن لوگوں نے قطع
 صلاح و ادارہ ظاہر کیا ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ما بعثت
 بالقرآن الا ذلک بعثت بالسلامۃ الخ یعنی یہ تھا کہ
 میں رہبانیت سے نہیں آیا ہوں بلکہ اچھے سیدھی سادہی شریعت سے
 کریم لایا ہے ایسے درحقیقت انبیاء علیہم السلام کو دنیا کے اسباب سے
 ترقی تصحیح کا حکم نہیں دیا کہ یہ حکم دیا گیا کہ دنیا کی زندگی اور اسباب دنیوی سے
 انتفاع میں صحیح اعتدال پیدا کریں تاکہ انسان نہ خوشان بھم کی طرح دنیا پرست

۱۔ بنفہ ہمیشہ بن جائے اور نہ غیر متمدن بخشنی بن کر رہے۔ خوشحال ایک لحاظ سے اچھی چیز ہے کیونکہ اس سے اخلاق میں راستی اور مزاج میں درستگی پیدا ہوتی ہے۔ اور انسان کی ان صفات کو نکال کر ہم نے کامر قح قح ہے جو انسان اور حیوان میں بہرہ امتیاز ہیں۔ دوسرے لحاظ سے خوشحالی بُری چیز بھی ہے کیونکہ وہ انسان کو دنیا کے اعتدال میں پھنس کر خدا سے غافل اور غفلت سے بے پروا بنا دیتی ہے ان متضاد کیفیات کے درمیان توسط و اعتدال کی صحیح صورت صرف یہی ہو سکتی ہے کہ انسان کو اسباب دوسری سے منع اٹھانے کا پورا موقع دیا جائے مگر اس ارتفاع کی بنیاد نفس پرستی پر نہیں بلکہ خدا پرستی پر ہو اور دنیوی کاروبار کے دوران میں بار بار خدا کو یاد دہا دیا جائے۔ اور ایسے آداب اور ضوابط متفقہ کر دیے جائیں کہ ارتفاع اپنی حد سے گذر کر ظلم اور فساد نہ بننے پائے۔

تمدنی معاملات میں انبیاء علیہم السلام کا طریقہ یہ ہے کہ لوگوں کی زندگی کے حوصلہ افزائی پر توجہ کی جائے سکھانے اور پیچھے میں انہماک اور مکان میں رینت اور تھکن میں ان کے رنگ ڈھنگ یک ہیں! دلاچی زندگی اور خاندانی روابط میں دکن فاعداں پہنچتے ہیں! خرد و فروخت اور دوسرے معاملات میں ان کے درمیان کس قسم کے طریقے رائج ہیں! جرائم کی سنگ تمام ہوز راجات کے تصفیہ میں ان کے قوانین کیسے ہیں! اسی طرح زندگی

کے دوسرے تمام سپنوں پر بھی نظر ڈال کر دیکھا جانے کہ جو طریقے لوگ
 میں رائج ہیں ان میں سے کون سی چیزیں مصیحت کی کے مطابق ہیں۔
 اور کون اس کے خلاف! جو چیزیں اس مصلحت کے مطابق ہوں ان
 کو مٹانے یا کسی دوسری چیز سے بدلنے کی کوئی وجہ نہیں، بلکہ انبیاء کا طریقہ
 یہ ہے کہ لوگوں کو ان کی طرف شوق اور رغبت دلاتے ہیں، ان پر
 قائم رہنے کی تاکید کرتے ہیں، اور ان کی حکمت و مصلحت سمجھاتے ہیں۔
 اور جو چیزیں مصیحت کی کے خلاف ہوں اور ان کو مٹا دینے یا بدل دینے کی
 ضرورت ہو، مثلاً بعض خصلتوں کے لئے موجب نقص و راحت اور بعض
 کے لئے موجب نقصان و اذیت ہوں، یا جن کی وجہ سے انسان لذات
 دنیوی میں مہلک ہو کر عیش کا بندہ بن جاتا ہو، یا جو آدمی کو طریقی انسان
 سے ہٹا دینے والی ہوں، یا جو انسان کو جھوٹی تسلی دے کر دنیا اور آخرت
 کی مصیحت کے لئے عمل کرنے سے غافل کر دیتی ہوں، ایسی چیزوں کے
 باب میں انبیاء علیہم السلام کا طریقہ یہ ہے کہ وہ انسان کو نصیحت ایسی
 مصاحبات کی طرف نہیں پھیر دیتے جن سے وہ بالکل غافل نہ ہوں، بلکہ
 حتیٰ الامکان انہیں ایسے طریقوں کی تعلیم دیتے ہیں جن کے تقاضا ان کے
 درمیان پہلے سے پائے جاتے ہوں۔ اسی بنا پر انبیاء علیہم السلام کی
 شریعتوں میں اختلاف رہا ہے حالانکہ دین ان سب کا ایک تھا۔

ہاں! نظر لوگ اس راہ کو جانتے ہیں کہ نوح اور ہلاق اور صالحات
 اور زکریا اور یاس اور قضا اور صمد اور تقسیم غنائم کے باب میں شریعت
 نے باطل کو کئے طریقے ایسا نہیں کئے ہیں کہ لوگ پہلے ان کو باطل نہ جانتے
 ہوں، بلکہ اسی طریقوں کو باقی رکھا ہے جو پہلے سے رائج تھے اور صرف ان
 اجزاء کو بدل دیا مثلاً یہ ہے جو غاصد تھے۔ خون کے بدلے میں دیت کا طریقہ پیسے
 سے دیا گیا تھا۔ خراج، عشر اور جزیہ سے پہلے بھی دنیا آشتی تھی زانی کو
 رجم دینا اور مسارق کا اتھ کاٹنے اور جان کے بدلے حاق لینے کا قانون
 پہلے ہی موجود تھا۔ شریعت محمدیہ نے ان چیزوں کو برقرار رکھا اور صرف
 ان کو منضبط کر دیا۔ مال غنیمت میں بیس قوم کا حصہ پہلے سے مقرر تھا۔ شریعت
 محمدی نے اس میں تھوڑی ترمیم کو کے پانچواں حصہ مسکین کو دینا اور جزیہ
 باطل ہی غلط تھیں۔ بن کر آٹھ عوام کو دیا، مشکوٰۃ اور بھیلوں کا عیب و
 صواب ظاہر ہونے سے پہلے بن کو روخت کرنا اس باب میں بالترتیب زیادہ متفق
 سے کام لوگ آدھ گیسو کہ انبیاء علیہم السلام نے جاری کیا میں بھی جدت
 طرزی سے کام نہیں لیا ہے بلکہ ریاہ و توجہ و تہ کے وہی طریقے دئیے
 رکھے ہیں جن سے لوگ پہلے سے رہے۔ تھے، ابستہ ان میں انہی میں
 کر دی کہ جاہلیت کی تحریقات اور بنہ ائمہ ایمان سے الگ دیا، اوقات منضبط
 کر دیئے، ارکان میں باقاعدگی پیدا کر دی، اور جہت کی مروت کو صرف

اللہ کے لئے مخصوص کر دیا۔

ردیوں اور گیسوں کو جب شناخت ملی اور ایک حویلِ دولت تک
 وہ اس منصب پر سرفراز رہے تو لذتِ دنیا میں اُم بھکر رہ گئے، اور شیطان
 ان پر ایسا مسلط ہوا کہ دنیا اور سے زیادہ اسبابِ ہمیش فراہم کرنا اور
 ایک دوسرے سے بڑھ کر اپنی خوشحالی کی نمائش کرنا ان کی زندگی کا مقصد
 قرار پانے لگا۔ عقل و حکمت کا استعمال ان کے دماغ میں ہی تھا کہ وہ اپنی فلاح
 کے دقیق سے دقیق وسائلِ تلاش کئے جائیں اور پھر ان سے لطف اٹھائے
 کے عجیب عجیب طریقے نکالے جائیں۔ ان کے وسائل اپنی شانِ ریاست کے
 نہایت ہیں جس طرح دولت صرف کرتے تھے اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا
 ہے کہ جس شخص کا شمار دیوبند میں ہوتا ہو اس کے لئے دو لاکھ روپے کم
 قیمت کا تاج پہننا عار کی بات تھی۔ اس کے لئے ہندو ہی تھا کہ ایک عایدت
 محل میں رہے جس کے ساتھ اُجران اور عام اور باغ بھی ہوں، انھوں
 کی ایک فوج اس کی خدمت میں اور قیمتی گھوڑوں کی ایک کثیر تعداد اس کے
 اصطلح میں ہو، اس کا دسترخوان نہایت وسیع ہو اور بہتر سے بہتر
 اٹکنے اس کے سطح میں بروقت تیار رہیں۔ ان چیزوں کی تفصیلات تمام
 سامنے بیان کرنے کی حاجت نہیں کہ اپنے عہد کے املا و رسا کی زندگی
 میں تم خود ہی رنگ دیکھ رہے ہو۔ فرض یہ کر بھی چیزیں ان کے صوبے

معاشر میں گھٹنیں اور ایسی جہیں کہ دلوں سے ان کا ٹھکانہ مل ہی نہ سکا۔ یہ ایک
 بیہاری تھی جو ان کے تمدن کی نگہیں تر گئی۔ اس کے اثرات بازاروں
 اور رنگینوں تک پھیل گئے۔ مزدور اور کسان تک ان سے نہ بچ سکے۔ اس نے
 چند صلوں میں پیش و عشرت کے سامان جمع کرنے کے لئے ملکوں اور گھروں
 کی بے شمار مخلوق کو مسائب میں مبتلا کر دیا، اس لئے کہ یہ سامان جمع نہ ہو
 سکتے تھے۔ جب تک کہ ان کے لئے پانی کی طرح روپیہ نہ بہایا جائے اور
 اتنی کثیر دولت فراہم کرنے کی اس کے سوا کوئی صورت نہ تھی، تو جہروں
 اور کاشتکاروں اور دوسرے محنت کش طبقوں پر زیادہ سے زیادہ ٹیکس
 لگائے جائیں، پھر ان ٹیکسوں کی زیادتی کے سبب سے ٹنگ آکر یہ غریب
 بچتے روپیہ دینے سے انکار کریں تو ان کو فوجوں سے پامال کر دیا جائے، اور اگر
 شانت سے ڈر کر وہ اطاعت میں سر جھکا دیں تو ان کو گرجوں اور سیلوں کی
 طرح محنت میں جوت دیا جائے تاکہ وہ رات دن دھیسوں کے لئے دولت
 پیدا کرنے میں لگے رہیں، اور ان کو دم لینے تک کی فرصت نہ ملے کہ خود اپنی سوا
 دینے و آخرت کے لئے جو کچھ کر سکیں، اسی کی تسبیح پڑھا کر ان کو ڈروں کی
 آبادی میں شعل ہی کے کوئی ایسا شخص ملتا تھا جس کی نگاہیں ہیں و اخلاق کا
 کوئی ہمیت ہو۔ وہ بڑے بڑے کام جن پر نظامِ عالم کی بنا قائم ہے اور جو
 انسانی صلاح و ترقی کا مدار ہے، قریب قریب سب برباد ہو گئے تھے۔

باتوں منتوں میں لگ جاتے تھے جو رُوسا کے لئے لازم ہمیش پیدا کرنے کے لئے ضروری ہیں، یا پھر جن فنون اور ان پیشوں کا اختیار کرتے تھے جن سے رئیسوں کو عوام کی پیروی ہو سکتی ہے، اس لئے کہ ان کے بغیر کوئی شخص رُوسا کے ان درخور حاصل نہ کر سکتا تھا اور رُوسا کے ان درخور حاصل کرنے کے سوا خوشحالی کا اور کوئی ذریعہ نہ تھا۔ ایک بھی خامی یا عیبت نہ ہو سکے۔ مسخروں، اقدوں، گویوں، مساجدوں، شکاریوں اور سی طرح کے لوگوں کی پیداوار تھی جو درباروں سے وابستہ رہتی تھی، اور ان کے ساتھ اگر اب دیں تھے بھی تو وہ حقیقت میں دیندار نہ تھے بلکہ کسب معاش کے لئے دین کا پیشہ کرتے تھے تاکہ اپنے زہد کی نمائش سے اپنے شیعہوں سے، یا اپنے گرو وغیرہ سے کچھ کما سکیں۔ اس طرح یہ مرض ان ملکوں میں انسانی جانت کو دیر سے سے کر نیچے تک ٹھن کی طرح کھا گیا تھا۔ اس نے پوری ہادی قوموں کے اخلاق کو ادنیٰ کیے تھے۔ اور ان کے اندر وہ خصلتیں چھپت کر رہی تھیں۔ اس کی بدولت ان کی سرزمین میں اتنی صوابت ہی نہ رہی تھی کہ غلامی، برادری، اور مظاہم، اخلاق کو بیچ اس کے اندر جڑ کر سکے۔ اس مرض کی حقیقت اجماع نہ نہ کہ تم کرنا چاہو تو کسی ایسی قوم کا تصور کرو جس میں اس نوع کی مخالفت و ریاست نہ ہو، جہاں کھانے اور لباس میں مبالغہ نہ کیا جاتا ہو، جہاں ہر شخص اپنی مزدوریات کے لئے خود کافی کام کر لیتا ہو اور اس کی پیٹھ

پالیسیوں کا بھاری جو جملہ اہواز جو ایسی جگہ لوگوں کو دین و ملت کے احمد پر تہ پر کرنے اور تہذیب انسانی کو ترقی دینے کے لئے کھلی فراغت اور طہائیت نصیب ہوگی۔ اس کے مقابلے میں لوگوں کی حالت کا تصور کر دین پر اس نوع کی خدافت و راست سواد ہو گئی ہو اس نے اپنے خدم و حشم بیت ملک پر مستط ہو کر اپنی خدمت میں بیٹے کے سوا بندگان خدا کو کسی اور کام کے قابل نہ رکھا ہو۔

جب روم و عجم کے ممالک پر یہی بیت حد سے زیادہ بڑھ گئی اور مرض اپنی انتہا کو پہنچ گیا تو اللہ کا غضب بھڑک اٹھا اور اس نے اس مرض کا علاج کرنے کے لئے فیصلہ کر دیا کہ مرض کی جیسٹ کلاٹ ڈالی جائے۔ چنانچہ اس نے ایک نبی انکی کو مبعوث کیا جو دیو اور عجمیوں کے عقائد نہ تھا اور جس تک جن کی عادات و فطرت کا کوئی اثر نہ پہنچا تھا۔ اس کو مسیح اور عیسیٰ اور فاسد میں تہذہ کرنے والی مینڈاں بنادیا۔ اس کی زبان سے نبی اور روم کا وائے تہذہ کی خدمت کرنی۔ حیدت دیا میں اسے تفرق اور لذت دیوی میں ابھاک کو مود و دشمنی راہ عملی پیش پرستی کے۔ بہن جس سے ایک ایک کو بہن چن کر عوام کیا۔ مشہد سونے اور چاندی سے برتن سونے

اور جواب کے : یورپ جتنی کپڑے بچھڑا، تعداد پر اور مجھے دھیر ذرا ایک م
 فرض ہے کہ اللہ نے اس نوجوان کو سلا اللہ علیہ وسلم کی سرداری سے دہم
 بلکہ کی رو۔ ۱۹۰۸ء استیصال کر دیا اور اعلان کر دیا کہ ہڈی
 کس شہر کے تہسرفی ہے۔ ۱۹۰۸ء دھلی قیصر و فلا قیصر
 ہند ہے۔

۱۹۰۸ء میں ہمیشہ تہ اور تمدن کے وہ تمام گروہیں جہاں اس کی
 زمین کو تنگ کرنے والی ہیں اس لائق بدعت کے قریب سے شادی
 لیو۔ خون کے پورے یسے کا جلاوطن طریقہ جس کی بنا پر ایک شخص
 کے قتل کی بدولت دو خاندانوں میں پشتوں تک بدولت چلتی
 تھی بھگت بند کرو یا گیا سبب۔ رات میں روساء قوم اپنے حسب
 مشائس طرح چاہتے تھے فیصلے کرتے تھے اس کے لئے ایک مذابط
 بنا دیا۔ سوچیں کہ بدولت ایک شخص کچھ روپیہ دے کر بدولت کے دھم
 کے زخمیر جت کرے۔ چاہے تہ اور وہ سبب شخص کی زندگی تنگ ہو جاتی
 تھی۔ دوسرے گروہ یا ریس و خرا کے وہ تمام طریقے جن سے ایک فریق کا
 قتل اور دوسرے کا نقصان جو صنوع خضر ایسے گئے۔ جسے کی ساری
 تمام گروہ کر دی تھی۔ یہ سبب انتفاع کے فیضیاتی طریقے ہیں۔

۱۹۰۸ء چاندی بازار، دہلی، ۱۹۰۸ء راجہ سوم دھماکا

اسلامی قانونِ معیشت

اس کی رُوح اور اس کے اصول

جب کسی جگہ انسانوں کی کثیر تعداد سکونت پذیر ہو تو دوسرے
 تمدنی معاش کے ساتھ ان کے سماشی امور کی تنظیم بھی ضروری ہوتی
 ہے اور یہ دیکھنا حکومت کا فرض ہوتا ہے کہ سماشی رجحانات غیر متوازن
 اور نامناسب نہ ہونے پائیں۔ ورنہ اگر باشندوں کی اکثریت مشغول
 صنعت و حرفت اور ملکی نظم و نسق میں مشغول ہو جائے اور جانوروں
 کی پرورش، قدرتی کاشت اور اشیائے خوردنی کی فراہمی محض چند
 لوگوں تک محدود رہ جائے تو ان کی ذمہ داری زندگی کو بھرپور کرنے کی۔
 اسی طرح اگر کچھ لوگوں نے کسب معاش کے لئے شراب کشید کرنے
 اور بت تراشی کا مشغلہ اختیار کر لیا تو عوام الناس میں خواہ مخواہ ان اشیاء

کے معوق مادہ مناسبہ میل کر رہے تھے اور ان کی اخلاقی زندگی برباد ہونے سے بچانے کے لیے لیکن اگر حکومت لوگوں کو اس طرح بے راہ رو نہ ہونے دے اور تمدن کی پیروی اور ملکی معیشت کے مصالح کی پوری نگہداشت کر کے چیزوں اور حصولِ نفع کے ذرائع کو لوگوں پر توازن کے ساتھ تقسیم کر دے اور انہیں غیر مفید اور بایاں و وسائلِ معاش اختیار کرنے سے روک دے تو عہدِ برائی زندگی نہایت آسائش اور سکون کے ساتھ گزرے گی۔

کمالِ فساد و فساد زیادہ تر افراد کی نفس پرستیوں کا ذہن منت ہو کر اسے وہ زندگی کی سب اہل و حقیقی ضروریات سے گذر کر دنیا کی رنگ و ریلوں کے شیدائی بن جاتے ہیں۔ حاملِ لوگ ان کے ان نفسانی میلانات کو دیکھ کر اور انہی کو صنعتِ بخش یا کر ان کی شہوتِ نفس کی تسکین کے لئے طرح طرح کے طریقے ایجاد کرتے اور اپنی روزی کو سامانِ حیا کرتے ہیں جب گرد و خاک کو قفسِ دوسروں کی تعلیم دینے کے لئے تربیت گا۔ کچھ شبہ۔ دوسرے رنگ بڑے بڑے ترقی خیز غلامانِ مشرق و غربت پر کرتا ہے۔ تیسرا حسین و دلفریب زیورات کی صنعت اختیار کر لیتا ہے۔ چوتھا اوبے اوبے خواب و صورتِ دیوانہ تعمیر کرنے میں شغول ہو جاتا ہے۔ جب کسی بد قسمت ملک کی حکومت میں وسائلِ معاش پر ایک پانی سے

نور ہوتے ہم تر وصالِ معیشت اور بقدرِ مشاغل تمدنِ متمدن و مہر و ہر
 کہ وہاں تھے میں اور جو تھوڑے سے بہارتِ بزمِ نصیب و پیشوں کو اختیار بھی کئے
 رہتے ہیں ان کو گردنِ نیلہ وں کے بھاری برقع سے آٹا ہی برداشتِ حد
 نہ دلی رہتی ہے کیونکہ ان کو ان تمام مہم جوش و خروش کی فراہمی کے لئے
 بے شمار دولت کی دولت چاہتی ہے اور یہ دولت میں وقت تک جمع نہیں
 ہو سکتی جب تک کہ اس سلسلہ وں تا جوں اور وں اور کاپیت رہنا ہوتے
 ہیں یہی فرق ہے ان کے اندر اس سے نہ ہی فرست ہی نہیں پاسے کو
 جتنی بھاری ایک وقت پر یہ ہے جو غریب کو کہ ہے بھلا بھلا تھن زار ہے
 عاصد کی حبیب چڑھنا شروع ہوتا ہے اور پھر اس کی کسی تیری کے ساتھ
 ان کی سرکشت گردی ہے یہاں تک کہ وہ نہیں دیکھ کر جو سسک سسک کر
 حق اسے دیتی ہے نہ دیر جی وقت سے یوں نہ دیر حق سے تو انہی کا تکی
 ناک پھانسی ہے۔

یہی وہ منہ بند ہے اور سو سے ذات جلی ملک پر سلسلہ ہند
 وہاں چنے سناہ تون راہی حبیب کو دیکھ کر اس مرضِ دامن
 کو ان کے حبیب دے اس حبیبِ حادوں سے مرض کی جگہ تھیں کر کے
 یہ تمام سادہ گوشت و گوشت سے متعلق تھا غائب تھا کہ اس کے جو شرم
 اس کے لئے کہ ان کے سب سے افضل ہوتے ہیں اور صرف سبھی پہنچو پر

اقتصاد کی بلکہ دنیا کا ایک صالح نظام معیشت کی بنا ڈالنے جو خاص اصول
فطرت پر مبنی تھا۔

معیشت کے نظری اصول و مبادی | ان نظری اصول و مبادی میں پانچ اسلامی
توہین معیشت کی بنا رکھی گئی ہے حسب ذیل ہیں:-

۱) اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو زمین پر پیدا کر کے ان کی روزی کما کا
بھی اس زمین میں فراہم کیا، اور ان سب کے لئے زمین کے وسائل سے کتنا
رزق کو خارج کر دیا۔ پھر جب ان کے درمیان خود غرض نہ سبقت
(COMPETITION) اور باہمی تقاضے (STANDARD) کا سلسلہ شروع
ہوا اور ہر فرد نے تنہا کو شش کوئے لگا کر دوسروں کو محروم کر کے خود زیادہ
سے زیادہ وسائل تلاش پر توجہ مرکوز کر لئے تو اللہ تعالیٰ نے اس منصفانہ کام کو
روک رکھنے کے لئے یہ حکم نازل فرمایا کہ جو شخص کسی بلکہ پر پہلے قابض ہو جائے یا کسی
وسیئہ (MEANS OF LIVING) کو چپے
حاصل کرے تو اس سے قطعاً ملنے کا حق تین حصوں کو حاصل ہے، اور دوسرا
شخص اس حق سے اس کو محروم نہیں کر سکتا، بلکہ تیسرا پیدا شدہ شخص بہادر
یا جی رہا مندی سے اس کو دینے پر آمادہ ہو۔ اسی چیز کا نام حق ملکیت ہے
اور اس کا اللہ تعالیٰ نے صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے:-
عن احسنی رضا میستة فی فی الدہ جس شخص نے کسی مرد و زمین کو زکوٰۃ

کی اویسی اس زمین کا مالک ہے۔

مردہ زمین سے ملوے گا بڑی ہوئی زمین ہے۔ اور اس کو زندہ کرنے
سے مراد اسے کارآمد بنانا ہے۔

اس ایسا ذہنی کا فلسفہ وہی ہے جسے ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔
یعنی ہر شے بلکل حقیقی تو خدا ہی ہے حقیقی ملکیت اس کے سوا کسی کو
نہیں پہنچتی لیکن جب خدا نے اپنے بندوں کو اپنی اس ملکیت سے عام
استعمال کی اجازت دے دی تو طبعا ان میں منافست اور منازعت پیدا
ہوئی۔ اس کے سوا سب کے لئے یہ حکم صادر کیا گیا کہ جس چیز پر ایک شخص
پہنچ جائے یا بعض جو وہ اس کی ملک سمجھ جائے گی۔ لہذا جب کوئی شخص کسی
فائدہ اور فائدہ مند زمین کو، جو آبادی کے احاطہ سے باہر ہو، سب سے پہلے
خود دوسروں کو کوئی نقصان پہنچانے بغیر یاد کرے یا قابل استعمال بنائے،
تو وہ اس زمین کا مالک نہ جاتا ہے اور اس سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ
زمین ساری کی ساری درحقیقت مسجد یا سرائے کی حیثیت رکھتی ہے جو
صنایوں اور سازشوں کے لئے وقف رہتی ہیں اور خاصے خدای سجد کے
استعمال میں نیز سارے مسافر سرائے کے استعمال میں صنوبرا برکے شریک
و حقدار ہیں لیکن جو پہلے ان کا کسی گوشہ کو گھیر لیتا ہے وہ اس خاص
جگہ کے استعمال کرنے کا بہ نسبت دوسروں کے نزدیک مستحق ہوتا ہے۔

اور ملک کے معنی اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک انسان کسی شے سے اختلاف کا حق دوسروں کی نسبت زیادہ رکھتا ہے۔

اس اصول کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور اشارہ میں یوں بیان فرمایا ہے۔

عادی الارض بلذہ و وصولہ عادی الارض اللہ ورس کے رسول شرمہ لکھو معنی کی ہے، پھر رخصت ہو گئی ہیں یہاں واسطے پہنچنا ہے۔

عادی الارض اس میں کہتے ہیں جو کسی وقت میں کسی قوم یا فرد کے قبضہ اور ملک میں رہی ہو غائب اس کے ملک جاکر ہو چکے ہوں اور کوئی حق کی ملکیت کا دعویٰ باقی نہ رہا ہو۔ اس صورت میں زمین پھر اپنی اصل کی طرف لوٹ جاتی ہے یعنی دوبارہ مملکت میں جاتی ہے جیسا کہ ابتدا میں تھی۔ اور جبکہ کسی شخص کو اس کی حکومت کے دائرہ اقتدار میں واقع ہو تو حکومت اس کی ملک ہو اور وہ اسے پھر حق ہو گون کر چاہے مستمال کے لئے فتنہ ہے

۱۲) دوسرے فقہی اصول میں یہ ہے کہ نظام تمدن ایسا ہو جس میں سب فرد جماعت حصہ لیں اور تعاون کریں اور ہر معذور فرد کو اس کے کوئی شخص تمدن کے کاروبار میں شریک نہ ہونے سے غالی نہ دے۔

۱۳) دوسری اصل یہ ہے کہ ہر چیز کی قدرت نے عام فائدے کے لئے بنائی

ہیں اور جن کو کام نہ ملے جس کسی خاص شخص یا گروہ کی محنت قابلیت کا دخل نہیں ہے ان کو حق الامکان اپنی اصل زمینیں، باج، ماحول برائی، بچاؤ، اپنی برکتیں، ان سے فائدہ اٹھانے کا حق ملنا چاہئے اور اگر ان میں سے کوئی چیز ایسی ہو کہ اس سے فائدہ اٹھانا بغیر اس کے ممکن نہ ہو کہ اسے روکا جائے تو ایسی چیز کے لئے یہ خیال کرنا چاہئے کہ ہر شخص کو جس قدر دیکھ کی ضرورت ہو اس وہ اتنا ہی روکے، اور دوسروں کے لئے پھوڑے سے مقصد یہ ہے کہ عام فائدے کی چیزوں میں کسی کو دوسرے پر برتری کرنے کا اختیار نہ ہونا چاہئے۔ مثلاً گھاس اور چارہ و جنگل کی کھڑیاں قدرت کا ایک ماحول نام ہیں۔ ان کے پیدا ہونے میں کسی انسان کی محنت و کوشش کا دخل نہیں ہے، لہذا اس کو سب کے لئے عام ہونا چاہئے۔ کسی کو یہ حق نہ ہونا چاہئے کہ انہیں اپنے لئے مخصوص کرے، اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

”حمی لا ملکہ ووصولہ“ چاہیں کہ ان کی ملکیت نہیں وہ اللہ اور رسول کی ہیں۔

دوسرے جاہلیت کا دستور تھا کہ وہ زرخیز اور شاداب پہاڑیوں کو اپنے لئے مخصوص کر لیتے تھے اور ان سے استفادہ کی تمام کراہت انہیں دیتے تھے لیکن چوکیہ بات عوام کے حق میں سر امر ظلم اور غصب حق اور ان کے لئے ضرر اور مصلیٰ کا باعث تھی اس لئے شریعت عائد نے

چراغوں سے فانی ملکیت کا حق صرف سے باطل کر دیا۔

ایک مرتبہ آنحضرتؐ نے نمک کی ایک کان جو شہر مدینہ میں تھی ایک شخص
ابو بن حمال کو دے دی۔ لیکن جب آپؐ کو معلوم ہوا کہ اس کان سے نمک
بغیر کسی ذمہ سخت و سخت اور بغیر کسی خاص انتظام و نظام کے نکلتا ہے۔
تو آپؐ نے وہ اس سے واپس لے لی اور عام لوگوں کو اس سے استفادہ کا حق
دے دیا۔ اس نے کو جو شہر بغیر سخت و سخت کے قائل انتفاع ہوا، اسے ایک
شخص کے لئے مختص کر کے، یا عام کے حق میں سخت معذرت اور زحمت کا
باعث تھا۔

یہی حال اپنی کامیابی اور دولت کی روایت سے کہ جنہو دنیاوی اور دینی
کے غریب واقعہ سے، کے باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نصیب
فرمایا تھا کہ جس شخص کا کھیت پہلے پھلے پانی کو روک کر اپنے کھیت کو سیراب
کرے اور جب پانی ٹھنڈا کس پہنچ ملے تو اسے چھوڑ دے تاکہ بعد کے
کھیت والا اپنی کاشت کو سیراب کر سکے۔ اسی طرح میرے بعد دیگرے سب
پانی پیتے رہیں۔ کسی کو محض اپنے ہی لئے روک رکھنے کا ختب نہیں رہا یہ
مشہور ہوا تھا چنانچہ کہ اپنی جب بارگاہی چیز تھی تو آپؐ نے کسی ایک
کو امتثال بہ حق چاہئے دیا کہ دوسرے کو بد دیں۔ صل و جو یہ ہے کہ جب
کسی صاحب ہیز میں ڈالوں کے متعلق سداوی ہوں تو انتظام عام کے لئے

فردی ہے کہ اس سے استفادہ کرنے میں ترتیب کا لحاظ رکھ جائے۔ اور
 جس کا منہ پہلے آتے اسے پہلے انتفاع کی ہازت دی جائے اور جس کا
 منہ بعد میں آوے اسے بعد میں ہا جی خاصیت پر یاد ہو کر حق تعالیٰ کا باعث ہوگی۔
 ہم لوگوں کا سماشی تعاون کے ذریعہ اپنے دل اور رزق کی ترقی میں
 سعی کرنا تمدن کی بناء اور فساد کے لئے نہایت مضر و ہی ہے۔ مثلاً ایک شہر
 سے دوسرے شہر میں تجارت کرنا، سعی و کوشش کر کے لوگوں کا دل بکرا نا اور
 ربح وقت چوروں کو پہلے سے بہتر بنانا اپنی تربیت سے کوئی نئی چیز نکالنا
 یہ سب قابل قدر کام ہیں جن پر بڑی حد تک لوگوں کی خوشحالی کا مدار ہے لیکن
 جب ترقی و اصلاح کے ایسے ذرائع اختیار کئے جائیں جو تعاون کی رو سے
 خالی ہوں تو اصولی فطرت کے لحاظ سے وہ بالکل ناجائز اور حکمت و تربیت کے
 حق میں سب قاتل ہوں گے۔ جیسے قمار بازی اور شہ بازی و غیر وہی طبع
 کتاب رزق کے جن ذرائع میں تعاون کی ظاہری شکل تو موجود ہو مگر تہ میں
 تعاون کی موت چھپی ہوئی ہو وہ بھی حکمت و تربیت کے خلاف ہیں مثلاً سودی
 کاروبار جس میں گریڈ مزرع و خوش مناد پر اپنی رضا مندی کا غلبہ کرتا ہے۔
 لیکن وہ اصل یہ رضا مندی زبردستی نہ ہوتی ہے اور بے چارہ اپنے خدا کی
 عزت و کرامت سے ٹکڑا کرتا ہو کر اپنے لئے ایسی شرط کے التزام کو تسلیم کرتا ہے جسے
 وہ اکثر اذیت و پرہیز بھی نہیں کر سکتا اگر کتاب مال کے یہ طریقے تمدن کی بنیاد

کو کھڑکھا کر دیتے ہیں اور یہیں سے وہ مہمن نہ پرستی پیدا سوتی ہے جو مذہبیت کی حکمتوں اور برکتوں کا کھڑکھٹ کر عوام الناس پر غرور و بیعت شکنی کر دیتی ہے۔

ہم عربی مفسرینِ قرآن کا یہی وہ انگریزی اصول و مبادی ہیں جن پر اسلام کا سماجی قانون بنی ہے۔ ہر وہ اندیشہ معاش جو ان اصولوں کی رو سے ہے گورنمنٹ کا مخالف ہو، حرام و منکر قرار دیا گیا ہے۔ بنا پر تہمت کی ہے کہ رقص و موسیقی وغیرہ کی رو سے وہ دوسروں کا مال و مالا غصب کر رہی ہے۔ لیکن تمام اس سب سے غور ہو کہ دنیا میں وہ قسم ہے جسے ہمارا خدا ہے۔ اگرچہ ٹیکسینج و رقص و موسیقی کوئی رقص نہیں کہنے لگتے، مگر اس سے منکر و نفرت ہے۔ لیکن اس سے بھی زیادہ گوارا دیا گیا، کیونکہ حج میں تہمت کے لئے نہ لگتا ہے۔ وہ دوسری تہمت کی موت ہے اگرچہ حضور پر بھی رقص کی حد تک ترغیبی طریقوں سے ممتا ہے۔ لیکن درحقیقت اس میں تاغی نہیں مرقی سود پر قرض لینے والا اپنی روزی سے بلکہ ربح و دستاویز پر دستخط کرتا ہے۔ وہ وہاں نہیں جاتا کہ سوسے کو سوا سو دینے کا برفض اور غلبت قرار دے۔ اس قسم کے معاملات ساری ممالک میں جن حضرات نے ریاضات کا ن باب کرتے ہیں ان سے ہر خاص و عام بھی ملتا ہے۔ ہاں یہ ہے جاہلیت اور جاہلوں کا بد وقت و غریبوں کا ہمارا ملک۔

ہوا کی طرح تیار بھی تمدن کے لئے مسلک اور عادت گر ہے۔ تعاون اور
 ترغیبی دونوں کی روش اس میں منظور ہوتی ہے اور ان کے بہانے طبع امر میں
 خود غرضی اور پرستی راجع اور قسبہ حاصل کے ذیل خوبت جو تمدن کے
 حاصل اور دنیا پر کرنے کے پسندیدہ اظہار اور ضروری وسائل کو ترویج کر دیتے
 ہیں اس کی ترغیب کام کرتے ہیں اور ہر جھٹکے لڑائی اور قطع رحمی کے جو
 مادی نتائج معرض وجود میں آتے ہیں ان کے بیان کرنے کی تہذیب کوئی بہت
 نہ ہوگی۔

کہ سب معاش کے لئے ان دونوں چیزوں کا دروازہ اوچھی طرح بند
 کر دیا گیا ہے حتیٰ کہ ان میں سے کسی ایک میں موجود چیزوں کا خفیہ مسا
 شبہ بھی موجود نہ ہو۔ سبھی حکماء کو دیا گیا ہے مشائخ مشائخ بنیں یہ حفاظت
 میں خاص مشائخ بنیں یہ حفاظت میں نیز خشک گجروں کی چین ترکھروں کے ساتھ
 نہ دست کی ہون گھوٹ کا توڑ ہون گھوٹ کی ایک خاص مقدار کے ہون چاہئے۔

علاوہ اس کے ہر ایک کے حق نہ دست کی

تعلیم اور شکر ہون چاہئے کہ ہر ایک شخص کو یہ سکھایا جائے کہ ہر ایک کے حق میں ہونا چاہئے۔
 ہر ایک کے حق میں ہونا چاہئے کہ ہر ایک کے حق میں ہونا چاہئے۔ ہر ایک کے حق میں ہونا چاہئے۔
 تھے ہر ایک کے حق میں ہونا چاہئے۔

ہر ایک کے حق میں ہونا چاہئے۔ ہر ایک کے حق میں ہونا چاہئے۔ ہر ایک کے حق میں ہونا چاہئے۔

ان اللہ اذہوم شیئاً حوم جب اللہ تعالیٰ کسی شے کو حرام کرتا
 ثمنہ ہے اس کی قیمت کو بھی حرام کر
 دیتا ہے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر اپنی طبیعت دینے
 کی اجرت یعنی زنا کی نفیس حرام ہے، اور یہی حکم آپ نے کابین کی ہمت
 اور منشیہ کی کمانی کے بارے میں بھی دیا ہے۔ کیونکہ بن تمام، جرتوں
 میں وہی علت موجود ہے یعنی از تکاب مصیبت کی ترغیب و ترویج
 شراب کے بارے میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک فرمایا ہے کہ شراب
 بنائے والے شراب پیئیں، دالے، شراب ڈھونڈنے والے اور شراب
 رکھنے والے سب پر لعنت ہو، کیونکہ از تکاب مصیبت جس طرح مصیبت
 ہے، از تکاب مصیبت میں امداد کرتا اور مہولت بہیم پہنچاتا بھی مصیبت
 ہے۔

(۲) نجاست مثلاً مردار، خون، امانوروں کا فضلہ اور دیگر گندی
 چیزیں ہندست مکر وہ اور شیب، طین سے مشابہت پیدا کرنے والی
 ہیں، بخلاف اس کے اسلام کی فطرت لطافت اور پاکیزگی چاہتی ہے،
 اور پاکیزگی کا قائم کرنا نبی اکرم ﷺ کے مقاصد بعثت میں سے ہے۔
 اس لئے شارع نے تمام نجاستوں سے دور رہنے کا حکم دیا ہے۔

اور بن گوزریہ معاش بہندنے سے روک دیا ہے۔ تاکہ انسان بن کا حوگر نہ ہونے پائے چنانچہ مردار کی خرید و فروخت کو حرام کر دیا گیا، بھلاست رہ چکے تھانے کی اُہرت لینے سے منع کر دیا گیا، ورزہ خوروں کو مادہ سے جھتی کھانے کے لئے کراہ پر دینے کو ناجائز ٹھہرا دیا گیا، کیونکہ انسان ذلیل ہو جو روزی میسر رفتی ت وہ بھلاست کے دورانے سے گزر کر سکتی ہے۔

(۳) ایسے معاملات کو ناجائز قرار دیا گیا ہے جو زنا، عداوت، کادور و ازہ نظر آنکھوتے ہوں، مشقہ کہ عو ضین قیرت اور مال کا تعین اور شخص نہ ہو یا بیع و بیع کی شکل ہو یا خریدائے مل کو دیکھا ہو اور بغیر دھنگے ہو یہ تعین نہ کیا جاسکتا ہو کہ حوال اسے دیا جائے لگہ وہ اس پر راضی بھی ہوگا یا نہیں۔ یا اسی میں کوئی ایسی شرط ہو جو بعد میں پس کر تیل نہ قال کی موجب ہو۔

مذکورہ بالا ج سے کہ چر زبیتہ وقت قید کا مے کہیں پس پر کاتے رہیں پس عیدت ہو نہ لکھیں ہر آنکھ سے رو پے ہی نہ۔
 بعد مشق مشروط کی کہ مے ہے کہ بیع ہی چر بیچے و نہ مشروط کا مے کار مشق بھی
 اسے بیچے کا مے کہ مے تو میں بیچے کا مے مشروط ہوں

اسی اصول پر شارع علیہ السلام نے بیع مضافین دان آنندہ پیدا
 ہونے والے بچوں کی بیع جوامبی نزعانہ کی پشتیں میں ہوا مطلق و جو
 بچا بھی باطن مادر میں ہیں اور بیع نعل الجملہ جس بچے کی ماں بھی
 رحم مادر میں ہوئے ہوگا ہے، کیونکہ شے فروختی کا وہی وجہ دہی نہیں
 اس کا تعین کس طرح ممکن ہے۔ اسی طرح ایسے معاملہ کو ناجائز کر دیا
 گیا ہے جس میں اصل چیز اور اس کی قیمت، دونوں غیر موجود اور ختم ہو گئے۔
 استثنا: غیر مبین کا بھی یہی حکم ہے۔ اس بیع کی شکل یہ ہوتی ہے کہ
 اِن معاملہ کرتے وقت متویر کہے کہ اتنے دیوہوں میں میں تھوڑا سا پھوڑ
 کر اپنا یہ دس من چربییں دے دوں گا۔ اس تھوڑے سے کامد مبین
 فریقین کے درمیان وجہ نزاع بن سکتا ہے۔ لیکن اس کلیہ کو بہت زیادہ
 عام نہیں کیا جاسکتا یعنی ہر تنزیوی امر کا عدم تعین بیع کو فاسد نہیں کر
 دیتا کیونکہ عادتہ اور رواجا معاملات بیع کے متعلق بہت سے امور ہیں

اس بیع کے سارے طریقے روزنامہ بیعت میں درج تھے، کوئی اصل وجہ دہت کو دلچسپ
 نہیں اس کے کاس نے نفع سے کوئی پھر ہمہ ادویں دہدہ رہا۔ ایک سے یہ معاملہ
 کرنا کاس سے جو کہ مرگ، انقیادت میدوں سے ہوں گا۔ اسی طرح ماں کے پیٹ سے
 پہلے سے قتل ہی بچے کو مرید و مریدت شروع ہو جاتی تھی اور یہ اس وقت ہی
 محکم و حرم میں کی جاتی تھی۔

ہوتے ہیں جن کی توفیق اور تعین انہیں کی جاتی اور دیکھا جاتی ہے مفسد میں صرف وہ ملامتیں ہے جو موجب نزاع ہی تھیں۔

ایسے معاملات بھی اسی بنا پر ناجائز ہیں جن میں مسائد تو ایک چیز کا ہو رہا ہو مگر دراصل وہ مقصود بالذات نہ ہو بلکہ اس کے ضمن میں دہرہ کوئی اور ہی مسائد پیش نظر ہو۔ ایسے معاملات سخت خصوصیت انگیز اور ایسے محیط ہو جاتے ہیں جن کا کوئی اصل مفاد و خواہش ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ بیع مقصود بالذات تو ہوتی نہیں، اسے شخص ایک دوسرے مقصد کے لئے یہ نہ بنایا جاتا ہے، اور ایک فریق جب دیکھتا ہے کہ جو اصل مقصد تھا وہ حاصل نہیں ہوتا تو وہ معاملہ بیع کی تکمیل سے جی چرائے اور دوسرا فریق طے شدہ بات کو یاد کر لے پر اصرار کرتا ہے۔ اسی بنا پر شارع نے ایسے معاملات کی سرے سے حاکمیت فرمادی ہے۔ رسول اللہ صلعم کا اذکار ہے کہ:-

لا یحل بیع وسلف ولا ایک ہی ساتھ بیع اور بیع سلف
شرط ان فی بیع دونوں کا مسائد کرنا کسی مسائد بیع
میں وہ شرطوں کی قید لگاتا جائز نہیں۔

بیع سلف کے معنی ہیں کسی چیز کی جو آئندہ تیار ہونے والی ہو بیعت کی
نقد روپیہ دے کر بیع کر لینا اور وہ شرطوں کا مفہوم یہ ہے کہ ایک تو

اس چیز کے حقوق بیچ اپنے لئے مخصوص کرانے اور دوسرے کوئی اور غائبی شرط لگانے مثلاً اگر اس چیز کو تمہیں کسی جینپ منظور ہو تو میرے ہی ہاتھ رہنا، نیز اس شرط کے ساتھ تمہیں یہ چیز بیچ رہا ہوں کہ اپنی انھوں چیز کے ہمہ کرد و بان لاں کے یہاں میری سفارش کرو۔

اسی مقدمہ پر ان معاملات کی بھی ممانعت کی گئی ہے جن میں عرضیں میں سے کسی ایک کا استیبار سپردگی ممانعت کرے دے کے اتھ میں نہ ہو، مثلاً من دقت، خریدار کے قبضہ میں نہ ہو، یا چیز یا منع کے اتھ میں نہ ہو بھرنی الحال عموماً دوسرے کے اختیار میں ہوا اور اس کا بعض نظری حق اس شے پر پہنچتا ہوا اور بھی محل نزاع ہو۔ ایسی صورت میں بہت ممکن ہے کہ ایک قصبہ کے اندر دو سر قصبہ پیدا ہو جائے یا فریق مخالف کو دھوکا اور نقصان پہنچ جائے اور یہ واقعہ ہے کہ جب تک کوئی چیز تمہارے اتھ میں نہیں ہے تمہیں اطمینان نہ کر، پادشہ کو وہ تمہیں مل ہی جائے گی۔ لہذا اگر ان حالات میں بیچ منقذ ہو گئی اور دشمنی نے قبضہ کا مطلب کر دیا تو بیچ کے لئے اس کے سوا کیا یہ راہ کھ ہو گا کہ دھر دوڑا پھرے اور اس طرح مناقشات کی گرم بازی کا سامان پیدا کرے۔ اسی مفیدہ کا قلعہ تین کرنے کی خاطر اس قدر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو چیز تمہارے اپنے ہاتھوں میں ہو اس کی بیچ نہ کرو۔ دوسرے ارشاد میں ہے کہ جو کوئی گھیس خریدے اس دقت تک

یہاں تک کہ جب تک کہ اس کو اپنے قبضہ میں نہیں کر لیتا۔ یہ حکم صرف گھبروں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ عام ہے۔ نیز آپ نے ایسی تھے کہ کچھ سے منع کر دیا ہے جس کے متعلق بائع کو یقین کال نہ ہو کہ یہ وہ میرے ہاں موجود بھی ہے یا نہیں یا میں اسے پاس رکھتا ہوں۔

اسی طرح شارع نے جن جن کن معاملات کو حرام کیا ہے جو عمرنا نما میں پیدا کرنے والے ہوتے ہیں۔ مثلاً درخت کے کچے پھلوں کی بیج کا مرب میں عام رواج تھا۔ اس کے متعلق حضرت زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ لوگ باہمی بیچ و خرید فروخت کرتے تھے لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پھل خریدیں تو آپس میں لازمی ٹھکارا کرے گئے۔ مشتری قیمت کو یاد رکھنے کی خاطر بھت پیش کرتا کہ جس کچے سے تم یہی خرید اور ملے گئے۔ اس متوقع زباج کے مندرجہ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمادی کہ درخت پر کچے پھل سے بدعت تک نہ بیچ جائیں جب تک کہ وہ قبلی متعلق نہ ہو جائیں۔ تاہم مشتری ہی وقت پھلوں کو توڑے۔ اس ممانعت کے بعد آپ نے فرمایا۔

اس آیت اذا ضاع اللہ التمسہ تا سیر کو کہ جب اللہ تعالیٰ نے پھلوں
 ہما یاخذن احدکم من الی کو نیست و نابود کر دیا تو پھر کس نے
 احیہ کے عوض ہے بھائی کو ال دھلوں کو

کو قیمت دینا ہے؟

یعنی اس طرح کہ جس میں ایک قسم کا دھوکا پوشیدہ رہتا ہے، کیونکہ پہلوں کے خانے جو جانے لائنوں پر حال موجود ہے، اگر وہ واقعی خانے جو ہمیں تو خریدنا، غریب کو قیمت دینا، اگر فی ٹپے کی اور اس کے عوض اسے کچھ بھی ملنے نہ دے گا۔

(۴) خرید و فروخت کے معاملات میں مسابقت (Competition) کی ایسی صورتوں کو روکا گیا ہے جن سے لوگوں کے درمیان حسد اور مخالفت پیدا ہونے کا اندیشہ ہو، اور جن کا نتیجہ ہو کہ کچھ لوگ پیش قدمی کر کے دوسرے لوگوں کو انکسب رزق سے محروم کریں، یا کسی بینکر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:-

ولا تقولوا لربکین بیع ولا	اباوی سے علی کر سولہوں کو راستے
بیع بعضکم علی بعض	میں نہ جا پڑو اور ایک شخص دوسرے
بعض ولا یسئلہم جمل علی	شخص کی بیعت میں طاعات کی کاپنی
سوا من یجد ولا یتناجسوا	بیع نہ کرے، اور ایک شخص دوسرے
ولا یبیع ما ضلوا به	کی بولی پر بولی نہ دے، اور جو شخص (شے)
کو خریداری سے روکنے کے لئے بولی نہ چھاتی جائے اور شہر و دیہاتوں کے	
کی طرف سے بیع کا اثر نہ رہے	

ہن ہدایت میں سے موزوں کردہ ہدایت کا مقصد یہ ہے کہ گاؤں والوں کو باہر دست شہر میں آکر لوگوں کے اثناء ال فروخت کرنے کا موقع ملتا چاہئے تاکہ جیتے جان کا ال بے کر نسبتاً زیادہ قیمتوں پر فروخت کرتے ہیں یہ عام باشندوں کے لئے تنگی کا موجب ہے اور اس سے خود گاؤں والوں کا بھی نقصان ہے کیونکہ وہ زیادہ غائبے کا بیج کر کے آڑ پیچے کے جاں میں بچیں جاتے ہیں اور پھر اس کے پھندے سے اس کا ممکن شکل بنتا ہے نیز یہ کاروبار تمدن کی ترقی کے لئے بھی مضر ہے کیونکہ گاؤں والوں کا بہار مال کے کوٹہ اور تھوڑا کٹا اس سے بہتر ہے کہ وہ زمین بے نفع کی خاطر اس کو روک کر رکھیں۔

(۱۵) ایسے طریقوں سے نفع کمانے کی کوشش بھی حرام کر دی گئی ہے جو عامۃ الناس کے لئے موجب نقصان و تخفیف ہوں۔ مثلاً غلے کو قینیں گرا کر کے کی خاطر جمع کرنا اور روک رکھنا کہ جو جو غرضاً نفع طلبی ہے اور اس سے تمدن میں حوائج واقع ہوتی ہے مادی کے متعلق ہی سہی، اندوہ و غم فراغتے ہیں۔ اس احتکاف و غرضاً طلبی، جس نے احتکار کیا وہ گنہگار۔

۴۔

(۱۶) ایسے تمام معاملات منوع ہیں جن میں مالیک، جس دوسرے شخص کو دھوکا دے کر نفع کماے کی کوشش کرے، مثلاً اپنے مال کا عیب چھپائے

یہ اس کا مال تھا اچھا نہیں ہے اتنا بظاہر کرے۔ اسی سلسلے میں یہ حدیث ہے کہ

و لا تقصروا ولا تأملوا فی الخلق
فمن ابتعدھا بعد ذلک حذر
بغیر مطربین بعد من ینزلھا
اس رحیمہا امسکھا و اس
اسمھا یردھا صاعقا من ثوب
و ہر ذی صاعقا طعنا لہ
لیکن واپس آتے وقت وہ ساتھ ہی ساڑھے تین سیر کھجوریں بھی اس
دودھ کے عرض دے دے جو اس نے چڑا دی۔ ایک دوسری روایت
میں ہے کہ ساڑھے تین سیر قدر دے لیکن وہ زیادہ قیمتی تونہ ہو۔ شوق شامی
کیوں کہ وہ چھانریں زیادہ قیمتی ہوتا تھا۔

اسی مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معنوی طور پر مال کو اچھا
بنانے کی بھی سی فراہم کی ہے۔ ایک شخص نے کھجوروں کو پانی سے تر کیا تھا۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: اذہا جعلتہ فوق طعنا ورحمتی
یونہی من اس من غش فلیس شیء دیکھا تو نے اس کو اوپر سے تر نہیں کیا
بہرے لوگ دیکھ کر دھوکا کھائیں! جو شخص دھوکا بازی کرے اس سے بیزار

کوئی واسطہ نہیں)

ایسی چیزوں کی پہچان محرم سے جن کو اللہ نے سب انسانوں کے لئے
 مباح کیا ہے۔ مثلاً جو پانی قدرتی طور پر جڑا ہو اور خود لوگوں تک پہنچتا
 ہو اس کو کوئی شخص روکے اور قیمت لے کر دوسروں کے لئے پھرے۔
 یہ اللہ کے ارادوں بغیر کسی حق کے تصرف کرنا ہے اور اس میں زندگان خدا کی
 ضرورت سامنے ہے۔ چنانچہ حدیث میں آگاہ ہے کہ نبی اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم جن بیع فضل الماء، دینی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ضرورت سے
 نافرمانی کو قیثا دینے کی ممانعت فرمائی ہے، اسی طرح قدرتی چراگاہیں
 مازوروں کے چرنے پر اہت ملکر ناجائز منوع ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ
 وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص ایسا کرے گا اللہ بھی اس سے کہے گا کہ میں تجھے کہنے
 فضل سے اسی طرح محروم کر دوں گا جو جس طرح تو نے لوگوں کو اس فضل سے
 محروم کیا جس کے بنائے ہوئے تیرا حصہ تھا، ایک اور حدیث میں ہے کہ پانی
 اور چارہ اور آگ، یہ ایسی چیزیں ہیں جن میں سب مسلمان شریک ہیں۔

چند اصولی باتیں اس اندکونہ بلا صوفیہ کے مقلد چند اصولی باتیں اور
 ہیں جو فقہانی معاملات پر عام کی گئی ہیں۔ آگے بڑھنے سے پہلے ایک سرسری
 نگاہ ان پر بھی ڈال لینی چاہئے۔

نہا ہوا شعلوں، جال بھی بیع مشروط کے متعلق بعض محرم حکام اور برہان

جو کچھ میں یہاں ایک عام اور اصولی بات بیان کر رہی جاتی ہے، شائع کا فائدہ ہے کہ ہر وہ شرط جو کتاب فقہ میں نہیں ہے، باطل ہے۔ لیکن اس کا مدعا یہ نہیں ہے کہ ہر وہ شرط جس کی قرآن میں مزاج اور خصوصیات اجازت موجود نہیں ہے، باطل ہے۔ بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ جو شرط قرآن میں تصریحاً منوع قرار دے دی گئی ہے یا جو روح قانونِ اسلامی کے مخالف ہو، وہ بشرطِ باطل اور ناجائز ہے۔

حقوقِ ولایت کی پیروی ناجائز ہے | حقوقِ ولایت کا بچنا اور برباد کرنا اسلام میں قانوناً ناجائز ہے۔ کیونکہ قابلِ فروخت صرف وہی چیز ہو سکتی ہے۔ جو حسی اور شاہد ہو۔ ولایت کے حقوق کی نوعیت یہ نہیں ہے وہ تو ایک ذہنی اور اعتنائی چیز ہے۔ نیز ولایت نسب کے تابع ہے۔ جس طرح نسب کی پیروی اور نہ جائز نہیں اسی طرح ولایت کی پیروی اور نہ کاہر بھی جائز نہیں۔

یہ بن دین نہیں کھانے کی ممانعت۔ تھوڑی کاروباریں بات بات پر قسم کھا کر ایک عام شیوہ بنا رہا ہے۔ یہ ایک نہایت ذلیل حرکت ہے اس میں باقی کئے دو پہلو ہیں ایک تو فطرتِ خانی کو اس کے ذریعہ دھوکہ دیا جاتا ہے دوسرے اللہ کا نام ایک کھیل بن جاتا ہے اور اس کی حقیقی عظمت کا احساس تک دلوں سے نہ ہوا کرتا ہے۔ اس لئے شارع

نے فرمایا کہ الحلف مفسدة السبعة مفسدة السمكة و تجارت میں قسم کھانا گرامر کی نکاحی کا فرض ہے تو کمانی میں بے یقینی بھی کا ذریعہ ہے اور یہ ایک کھل ہوئی حقیقت ہے۔ اسلام اپنے پیروں میں اس مذہم رسم اور عدوت کا کوئی ہلکا سا اثر بھی دیکھنا پسند نہیں کرتا اور حکم دیتا ہے کہ اسے تجارت پیشہ لوگوں پر دفعہ دہشت کرتے وقت زبان سے بیت سی اصول باتیں اور ناروا تفسیریں نکل جایا کرتی ہیں اس لئے میں نے سب تو کچھ برقعہ بھی دیا کہ وہ صدقہ کا حکم اس لئے دیا گیا تاکہ وہ ان مفولہ زمینوں اور خطیہوں کا کفارہ ہو جائے۔

سوتے اور چاندی کے سکوں کا مبادلہ اگر کوئی شخص اپنی چیز کو دینا (سوتے کے سکے) کے حساب سے بیچتا ہے لیکن دینا کے بجائے دھام (چاندی کے سکے) لیتا ہے تو قانون اسلام اسے اس کی اجازت دیتا ہے لیکن دو شرطوں کے ساتھ ایک تو یہ کہ وہ دھام کی قیمت دینی والی جانے جو اس سے بڑا ہو یا نہیں۔ دوسری یہ کہ فریقین معاملہ اسی وقت چلتا کر لیں یعنی جہاں سے سے پہلے ان کے درمیان کوئی بات تصفیہ طلب نہ رہ گئی ہو مثلاً اس کو کہ تصدیق کر گئے دیناروں کے قانع تمام کئے و دھم ہوں گئے سزاؤں پر چھڑ دیا گیا ہو یا اسی قسم کی کوئی اور بات نہ مستقبل میں ملے ہونے کے لئے، مثلاً کبھی گئی ہو اگر ان شرطوں کو پورا نہ کیا جائے تو بائع کو اس کی

اجازت نہیں کو دنیا کے کھائے قیمت میں دیا ہے کیونکہ یہ صورت لزاع پیدا کر دینے کا احتمال رکھتی ہے اور اس سے مسامحہ صاف دور کیسہ نہیں ہوسکتا۔

ناب قول میں کمی کی ممانعت [اب قول میں ڈنڈی مارنے کی سخت ممانعت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تئیں والوں کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ تم دو ایسی چیزوں سے اپنے اور تو نے کے غمناک اور ذمہ دار نہ بنائے گئے ہو جن کے ذریعہ بہت سی کھچل تو ہیں بلکہ جو انہیں یعنی اپنے تئیں سے تو نے میں عدل و وقف کا پورا پورا لحاظ رکھنے کی وجہ سے کتنی ہی قریں پاک ہو چکی ہیں مثلاً قوم شعیب جس کا عبرت انگ مشر قرآن میں لکھا ہے، موجود ہے پس کھڑا کر اس نیا مت اور بد معاہدے سے بچنا چاہئے۔

زخموں کا حکم مقرر کیا جانا [تجارتی کاروبار میں ایک سوال حکومت کے اختیار کا ہے کہ آیا وہ شعیب کی قیمت کا جبری قیمت کر سکتی ہے جس کے مطابق نتیجے پرانی تجارت مجبور ہو، اسلامی قانون تجارت کا رجحان اس طرف سے کہ تجارت میں مسامحہ میں آتا ہو، حکومت کو ان کی آزادی میں مداخلت نہیں کرنی چاہئے۔ چنانچہ ایک اردو لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حکومت کی ترغیروں نے چیزوں کا بھانڈا بہت بڑھا دیا ہے۔ آپ ان کی قیمتوں کا مناسب تعین فرمادیں گے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیمتوں کا مقرر

کرنا اور روزی کا گھٹا ہوا صاف کھانے کے اختیار میں ہے جس میں پسند کرتا
 کو جس قدر سے اس معاملہ میں حوں کو کسی پر ظلم کرنے کا باوجودی گردن پر ہمارا وہ
 اس کے حضور راوی کرے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی ایسا عادلانہ نرخ معین
 کرنا جتنا برا و خیرہ اور دھوکے کے نفع نقصان کے لحاظ سے بالکل ٹھیک ہو چکی کہ
 کسی کی ایک فہم برآمد حق عقلی نہ ہو، تقریباً ناممکن ہے۔ اسی لئے انھوں نے مسلم نے
 اس کے لئے کوئی حکم صادر کرنے سے اجتناب فرمایا تاکہ اسلئے میں اس کو اس کا حکام
 اس حکم کو اپنے لئے مستند نہ بنالیں اور اس کی بات میں جب چاہیں اور جس قدر
 چاہیں چیزوں کی قیمت گھٹا بڑھالیں یہ ہم اگر حکم کھلا تجارت پیشہ لوگ لوٹ
 ہی پاتر آئیں اور چیزوں کو بہت گرا کر کے لوگوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیں تو
 حکومت کے لئے جائز ہے کہ رفاہ عام اور مصالح تمدن کے پیش نظر انہیں اس
 خود غرضانہ لوٹ کھسوٹ سے باز رکھ کر چیزوں کی قیمتیں متعین کر دے۔ یہ
 احکام صحیح اسباب ہیں جن اصول میں نے بیان کئے ہیں ان کا تعلق اسلامی قانون تجارت
 کے سب سے پہلے سے تھا یعنی یہ تلاش معاش کی جدوجہد میں لوگوں کو کن تجارتی
 طریقوں سے بچنا چاہئے۔ اب ہم اس قانون کے ابتدائی پہلو پر ایک اجمالی گفتگو
 کر کے بتائیں گے کہ شارع علیہ السلام نے مختلف مرقعوں پر تجارتی معاملات
 میں کیا ہدایات فرمائی ہیں۔

۱۔ اگر کوئی شخص درخت خریدے اور اس پر پھل بھی لگے ہوئے ہوں تو

وہ پہلے بیج میں شامل نہ کیے جائیں گے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی شخص کھجور کا درخت خریدے تو اس پر لگی ہوئی کھجوریں سالانہ بیج میں شامل نہ ہوں گی بلکہ وہ بیچنے والے کی ایک اہلی ماہیگر کی اتالیق کا درخت خریدتے وقت میں کھجوروں کو بھی سالانہ بیج میں محسوب کرنے کی تصریح کر دی ہو گی کیونکہ اصلاً سالانہ تو اس درخت کا ہوتا ہے۔ اور پہلے اس سے ایک مزید چیز ہے جو خریدار کی ملک میں آنے سے پہلے درخت پر لگی تھی، لہذا اس کی حیثیت اس سال کا سبب کی ہی ہے جو کسی ٹھکرے صحن میں پڑا ہوا ہو، ظاہر ہے کہ صحن یا ٹھکرے کی خرید و فروخت کا اثر اس سال پر کچھ نہیں پڑ سکتا۔

اس سے یہ قاعدہ نکتہ ہے کہ اصل کی بیج میں فرع شامل نہ ہوگی جب تک کہ فرع کے متعلق سالانہ بیج میں تصریح نہ ہو۔

۲۰۔ اگر کوئی شخص کسی چیز کو خریدتا ہے اور کچھ روز کے بعد اس کے کسی عیب پر مطلع ہو کر واپس کر دیتا ہے تو اس صورت میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس مدت میں جو نفع اس نے چیز سے اٹھایا ہے، مثلاً اگر مکان تھا تو اس کا کرایہ وصول کیا ہے، اس کے بارے میں کیا فیصلہ ہونا چاہئے؟ آیا اس چیز کے ساتھ وہ نفع بھی اصل ملک کو ملنا چاہئے یا نہیں؟ اسلام نے اس باب میں ہر اصول مقرر کیا ہے کہ *الغواجم بالعضمان* یعنی نفع اسی

کے لیے جو نقصان کا ذمہ دار ہیں اس قاعدہ کی رو سے نفع کا حقیقی خریدار ہے کیونکہ وہ اس چیز کا اس حد تک خاص رہے۔ اگر وہ چیز اس کے قبضہ کے زمانے میں ضائع ہو گئی ہو تو وہی نقصان اٹھاتا، البتہ واجب وہ اس کے نقصان پر صلا پہنچو کا ذمہ دار ہے تو منفعت بخش پہلو بھی اسی کے حق میں ہونا چاہئے۔ معادہ بریں اگر باعث کو اس نفع کا حق دار ٹھیک رہا جائے تو فریقین کے درمیان نفع کی کمی و زیادتی پر ٹھکانا پیدا ہوئے گا تو یہ اندیشہ ہے۔ لہذا قطع نزاع کے لئے بھی مصلحت کا تقاضا ہی ہے کہ اس حق کا مقدار خریدار ہی کو قرار دیا جائے۔

اس میں ضروری بات یہ ہے کہ نفع کا تعلق ہمیشہ نقصان کی ذمہ داری کے ساتھ رہے گا۔

حق اگر فریقین رہا نہ اور مشتری، بیس باہم کسی بات پر اختلاف پیدا ہو جائے اور جسے فروختی قائم ہو، اپنی پہلی حالت پر موجود ہو کر کسی فریق کے پاس رہے، غرضی پر کوئی دلیل نہ ہو تو اسی صورت میں باعث کی بات مانی جائے گی۔ اگر دونوں کسی نقطہ پر ملتے ہو جائیں، یہ شارع کا منکر کیا مواہل ہے جس کے ذریعے سے اس نے ٹھکانے کا ذمہ دار ہونا کر رہا ہے۔ اس قاعدہ کی جہاں پہلے کہ کوئی چیز اپنے ملک کے قبضہ سے الگ ہو جاتی ہے تو اس کی ملکیت ہے جب کہ فریقین کی باہمی رضامندی کے ساتھ معادہ جمع ملے ہو

جلئے۔ اب چونکہ یہاں یہ صورت حال نہیں پائی گئی اور رضا کے کھائے
 آپس میں اختلاف رونما ہو چکا ہے۔ اس نے معاملہ کو ختم سمجھ کر منہ بچہ ہالہ
 اصل کی طرف رجوع کرنا ضروری ٹھیکر دیا تو وہ چیز بائع کی بھی جائے گی۔
 اور اس کی قیمت وہی ملنی جائے گی جو بائع کہتا ہے اس خریدار کو بستہ
 یہ اختیار ہے کہ اس قیمت پر چاہے چیز بے یا نہ بے کیونکہ معاملہ بیع کے انعقاد
 کے لئے جس طرح صحت اور رباخ کی رعنا شرط ہے اسی طرح زنی
 ثنائی (خریدار کی بھی شرط ہے۔

(۴) اگر کوئی شخص بیع سلم کے طور پر کوئی چیز خریدے تو اس کے
 لئے ضروری ہے کہ اس چیز کی مقدار اور قیمت کرنے کے وقت کی تعیین
 کر دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ شریف آئے تو لوگوں میں اس طرح
 کی بیع کا بڑا رواج تھا۔ لوگ روپیہ بچگی دے دیتے اور دو دو تین تین
 سال بعد پیدا ہوئے والے بچوں کو خرید لیتے۔ آپ نے اسے بالکل
 منسوخ تو نہیں کیا البتہ اتنی شرط لگا دی کہ اس چیز کی مقدار یا وزن
 متعین ہو۔ نیز یہ صاف صاف طے ہو جانے کا کہ بائع کس وقت خریدار
 کو وہ چیز دے گا۔

(۵) قرض کے لین دین میں تحریری دستاویز اور شہادت کی سخت
 تاکید ہے چنانچہ قرآن میں ہے:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّا
 نَذَرُ أَنْ تَكُونُوا مِنْ أَجْزَلِ
 مُسْتَسْقَيْنَ الْقُلُوبِ وَالْآخِرُ
 اے ایمان والے! جو تم کسی
 مدت میں تک کے لئے ایک
 دوسرے سے قرض لے لو اسے کھ
 یاد کرو۔

قرض کا معاملہ معاشی امور میں گزراگوں حیثیتوں سے بڑی اہمیت
 رکھتا ہے۔ ایک طرف معاشی ضروریات کے چچی نظر قرض کے بغیر کوئی
 چارہ کار نہیں، دوسری طرف یہ دیگر معاملات کی نسبت بہت زیادہ نفع
 اکٹریں اور خصوصیت اگلیز ہے۔ اسی اہمیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ شخصیت
 کے ساتھ قرض کے معاملات پر گواہ بنانے اور انہیں ضبط و تقویٰ میں لےنے
 کی سخت تاکید فرمائی ہے اور کتنا شہادت کی سخت ممانعت کر دی ہے۔
 پھر اسی ضمن میں انہیں معاشی ضرورتوں کے باعث دین اور کفالت وغیرہ
 معاملات کی بھی اجابت سے دی ہے۔

مضامین یا شرکت کے معاملات اور بیان کیا جا چکا ہے کہ نسل انسانی
 مدنی یا طبع واقع ہوئی ہے اور اس کا معاشی سوال اس وقت تک حل
 نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کے افراد میں باہم تعاون نہ موجود ہو جائے
 تاہم یہ قدرتی بات ہے کہ معاشی تعاون مختلف شکلوں میں قوموں کے
 اندر ہمیشہ موجود رہا ہے۔ اس تعاون اور شرکت کی مندرجہ ذیل قسمیں

۱۱) دو آدمی کوئی تجارتی کاروبار اس طرح شروع کریں کہ ایک کا سرمایہ جو دوسرے کی محنت اور منافع حسب معاہدہ دونوں تقسیم کر لیں۔ اسے اصطلاح میں تضاربت کہتے ہیں۔

۱۲) دو آدمی مل کر اس طرح تجارت کریں کہ سرمایہ دونوں برابر کے شریک ہوں، ہر ایک جو کچھ نیچے یا خریدے دو سرمایہ میں شریک ہو، حتیٰ کہ دونوں ایک دوسرے کے خاص اور ایک دوسرے کے غماز عام ہوں اور جو پار میں جو نفع ہو اسے دونوں آپس میں بھٹکساوی تقسیم کر لیں۔ اس کا نام شریکت معاوضہ ہے۔

۱۳) دو آدمی کسی معین سرمایہ سے تجارت کریں جس میں دوسرے کے حصے برابر ہوں اور ہر ایک اس سرمایہ کی حد تک خرید و فروخت میں دوسرے کا قائم مقام ہو لیکن ایک دوسرے کا خاص اور کیں عام نہ ہو کہ بعض شریک کا رہنے کی وجہ سے کچھ ایک پر بار ہو دوسرے سے طلب کیا جاسکے اسے شریکت عنان کہتے ہیں۔

۱۴) دو آدمی اس طرح تجارت شروع کریں کہ سرمایہ کسی ایک کا بھی نہ ہو بلکہ ہر ایک محض اپنی ذاتی شخصیت سے کام لے کر بازار سے احوال حاصل کرے اور دونوں مل کر اسے بچیں اور قرضہ ادا کرنے کے بعد نفع بانٹ کر تقسیم کر لیں۔ اس کا نام اصطلاح میں شریکت وجوہ ہے۔

(۵) ایک شخص اپنے لئے انہیں بلو کسی دوسرے کے لئے ملاقات کرے۔ اسے دو کالت کہتے ہیں۔

(۶) دو محنت پیشہ آدمی مل کر کام کریں اور کچھ حاصل ہو کہ اس میں بانٹ لیں یہ شرکت عمل ہے۔

(۷) ایک شخص کے باغ کی دیکھ بھال اور نیچا شی وڈ آدمی کرے۔ اور اس باغ سے جو پھل پیدا ہوں وہ حق میں سے حصہ بنائے۔ اسے آئینہ اسلامی میں مسافہ کہتے ہیں۔

(۸) زمین اور بیج ایک آدمی کا ہو اور بل چیل نیز کاشت کرنے کی جملہ محنت دوسرے آدمی کی اس طرح جو غنہ پیدا ہو اس میں دونوں شریک ہوں اس کا نام مزارعت ہے۔

(۹) ایک شخص کی محنت زمین ہو اور بیج بل اور بل اور محنت سب دوسرے کی ہو۔ اسے غابہ کہتے اور یہ دراصل مزارعت ہی کی ایک قسم ہے۔

(۱۰) مزارعت ہی کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ زمین بیج اور بل اور چیل سب کچھ ایک ہی آدمی کا ہو اور دوسرے کی صرف محنت ہو۔

یہ سب امور ان اور مشترک عمل کی یہ تمام صورتیں اور اسی نوعیت کی دوسری صورتیں بھی مسلمانوں میں جا رہیں اور ان کے لئے یہ قاعدہ

مقرر کیا گیا ہے کہ فقیہین میں جو شرائط سے مرعیتیں من کی پوری پابندی کی جائے، بجز ایسے معاملہ اور ایسی شرائط کے جو حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنے والی ہوں۔

معاملات میں نفیس اور فیاضی ایسا ایک نکتہ جو اصولی قوانین بیان مجھے ہیں ان کا تعلق معاشی معاملات میں خود غرضی، ظلم و عدوین اور نزاع کی روک تھام سے تھا لیکن اسلام نے صرف اتنے ہی پرکتفا نہیں کیا ہے بلکہ اس نے معاشی معاملات میں فضل، فراح، دلی، فیاضی، ایثار اور امداد و باہمی کی روح پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اور اسان و تبرع کو معاشیات کا اہم ترین جزو بنا دیا ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے شارع کا یہ ارشاد ہوا۔

رحمہم اللہ وجعلہم صفا
اللہ کی رحمت ہر اس شخص پر جو خیریت سے
اداباج واذا اشتغی واذا
اور بیچے اور قرض کا تقاضا کرتے
انقضی
وقت موت اور خوش خلقی سے
کام لے

کج خلقی اور خود غرضی وہی روحی کاروباری ذہنیت کا گویا ایک
نوعی خاصہ ہے۔ لیکن چونکہ ایک طرف تاجر کے نفس پر اس کے برتنے
اثرات پڑتے ہیں، دوسری طرف نظم تمدن کے حق میں یہ رحمت سے کم

نہیں، کیونکہ یہ چیز تعاون کی دشمن ہے اور تعاون ہی پر مذہب گوارہ دہاؤ
 ہے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سرٹھڑی پر اس سے روک کر سہت
 اور فرزندوں کی ترغیب دی۔

اسی مقصد کے لئے ایک موقع پر آپ نے لوگوں کو مخاطب کرتے
 ہوئے فرمایا کہ جو شخص کسی ایسی چیز کو جسے اس کا بھائی دخریہ یا ناپسند
 کرتا اور فریخ کرنا چاہتا ہو فریخ کر دے گا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ
 اس کے گناہوں کو فریخ دیکھی صاف کر دے گا۔ سادہ کی بات تو ہے
 کہ جب خریدنے پر اپنی رضا و رغبت سے ایک چیز خرید لی ہے تو خواہ
 بعد میں وہ کتنا ہی پتھپانے والا ہو اسے واپس کرنے پر مجبور نہیں ہے۔
 لیکن چونکہ ایک بھائی کو اس سے نقصان پہنچا ہے۔ اس لئے آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم نے فریخ کرے کی ان الفاظ میں ذیل فرمائی اور اسے رحمت
 مغفرت اور دی کا ذریعہ بتلایا اور بتسریط ایک چیز پر حاسد میں ہیں

اگر موقع پر رشتہ دار ایک ہی شخص کی ملکیت میں ہوں تو اس کے لئے
 جائز نہیں کہ ایک کو بیچ دے اور دوسرے کو اپنے پاس رکھ لے۔
 حضرت علیؑ نے ایک درویش کا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیچ کر فریخ
 کر کے غلام کو واپس لے لو۔ ایک موقع پر آپ نے فرمایا کہ جو شخص اس
 اور اس کے بیٹے کو ملک ملک کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو

اور اس کے اسباب و اقارب کو الگ الگ کر دے گا۔ یہاں بھی وہی اصول اخلاق و سماعت کام کر رہا ہے۔

اسی احسان اور تبرع کی تسنیم دیتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر کوئی غریب یا قریب کو دینے سے پیشتر غفلت جو جائے اور قیمت اور اگر دینے پر قادر نہ ہو تو مانع کو چاہئے کہ بخی جیہ کو واپس سے لے لے اور سے قیمت نہ لے کر دینے پر مجبور نہ کرے۔ اسی طرح آپ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ "اگر قرض و رزق تک دوست جو جائے تو قرض خواہ کو اپنا قرض معاف کر دینا چاہئے یا کم از کم سدا اللہ میں نہ لے کر دے اور اسے دے دینے کی کافی بہت سے اللہ تعالیٰ اس کو روزگار کے احوال سے محفوظ رکھے گا۔"

اس کے برعکس اگر قرض دہ قرض دہا کرنے کی قدرت رکھتا ہو اور پھر قرض دہا کرنے میں ٹال مٹول کر بہت روزمرہوں کو چاہئے کہ اس پر دباؤ نہ کرنا چاہئے، حق کر دہیں۔ ایک حدیث میں آئے ہے کہ تو انکار کا کئی قرض میں دست دخل کرنا ظلم و ناانصافی ہے۔ ان ہاں قرض دہا کسی دوسرے شخص کا حوالہ دے تو اس کا حوالہ قبول کر لیتا چاہئے۔ اس دوسرے کو کہہ دے کہ یہ ہے کہ اگر قرض دہا کا روپیہ کسی دوسرے پر آتا ہو اور وہ قرض خواہ سے کہے کہ تم اس سے وصول کرو تو یہی صورت میں قرض خواہ کو یہ امور نہ کرنا چاہئے کہیں تو تجھی سے وصول کروں گا۔

اسی تبرع کی خاطر قرآن نے مسلمان کو بار بار صدقات پر ابھارا ہے۔ اور حکم دیا ہے کہ جو مالی دشمنی انہیں دیا ہے اس میں سے اپنے غریب اور نادار بھائیوں پر بھی خرچ کریں اور اس کے عوض رضائے الہی کے ساتھ کوئی معاوضہ ان کے پیش نظر نہ ہو۔ پھر ایک ایک چیز کو لگ کر بتا دیا کہ ان صدقات کو ان کے صحیح مصارف میں خرچ کرنا ضروری ہے

وہ مصارف یہ ہیں:

انَّمَا الصَّدَقَاتُ ثَلَاثٌ: لِلْفُقَرَاءِ
وَالْمَسْكِينِ وَالْعَامِلِينَ
عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ
وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ
فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَاتِلِ
الْكُفْرِ بَلِ رِجْ وَتَوْبَةٍ
صدقات تو محض فقیروں،
مسکینوں، محصلینِ زکوٰۃ،
کمزور ایمان والے، نو مسلموں
وجہ کی تالیفِ قلب کی ضرورت
جو اور غلاموں، قرضداروں،
راہِ خدا میں جہاد کرنے والوں
اور مسافروں کے لئے ہیں۔

لیکن صدقات کے ذریعہ سے صرف غنا اور حاجت مندوں ہی کے ساتھ احسان اور مہم سادہ کا مظاہرہ کیا جاسکتا ہے۔ کھاتے پیچھے مسلمانوں کے ساتھ اظہارِ نفرت و مہم سادہ کا ذریعہ وہ نہیں بن سکتے۔ اس لئے اس کی کو پوچھنے کے لئے شارع نے ہر یہ اور تحفہ بھیجنے کی

تلقین کے مراسم اور غریب کے ساتھ رشتہ اخوت و نودت کو مضبوط کرنے کی ترغیب دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ کھادو! خان اللہ دیتے تھے طب الخدخالن۔ (ایک دوسرے کے پیاسا ہریے بھجوا کیونکہ ہریے دلوں کو گھسیٹوں سے صاف کرتا ہے) اور یہ ایک اور واقعہ ہے۔ ہریہ خواہ کتنا ہی قلیل اور مافوقی درجہ کا کیوں نہ ہو لیکن وہ اس بات کی علامت ہے کہ ہریہ بھیجنے والا اپنے دل میں اس کی جگہ رکھتا ہے۔ چنانچہ اسی حقیقت کو سامنے رکھ کر شارع نے ہریہ واپس کر لے کر سخت ممانعت فرمائی ہے۔ خود وہ کتنا ہی حقیر کیوں نہ ہو۔

صدقہ اور ہریہ میں فرق یہ ہے کہ صدقہ محض لویہ اللہ ہوتا ہے۔ اور ہریہ دے کر اس شخص کی خوشنودی حاصل کی جاتی ہے۔ اور یہ چیز بھی انسانیت اور مصلح تمدن و دونوں کے لئے کثیر حیات کا حکم رکھتی ہے کیونکہ اس کے ذریعہ سے سوسائٹی کے افراد میں الفت اور اتحاد کی زبردست اسپرٹ پیدا ہوتی ہے۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس شخص کے پاس ہریہ ملے، اگر وہ صاحب ممانعت ہے تو چاہئے کہ وہ بھی اس کا جواب دے اور اگر مستطاعت نہیں رکھتا تو ہریہ دینے والے کے حق میں بخیر

تھیں کے کلمات کہوے۔ یہاں کرنا گویا اس کی جہدِ روحی کا شکر یہاں کرنا ہونا ہے مگر لیکن میں نے یہ بھی نہ کیا اس نے سخت ناشکری کی۔ اور جس نے ہدیہ دینے میں اپنی حیثیت سے بہت بڑھ چڑھ کر نمائش کی اس کی مثال اس ریاکارِ دند کی سی ہے جس نے سر سے پیر تک فرقہ زنا دین رکھا ہو۔

ہدیہ کے جواب میں ہدیہ بھیجنے میں ایک تو یہ مصلحت ہے کہ اس طرح دونوں جانب سے قیامت و اُفت کی چش کش ہوگی جو ہدیہ کا مقصد وحید ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اوپر کا اُتہ ہر حال نیچے کے اُتہ سے افضل ہے، اس لئے انسان کو کوشش کرنی چاہئے کہ اس کا اُتہ بچاؤ رہ جائے لیکن مگر واقعی وہ اس کی قدرت نہیں رکھتا تو کم سے کم چھ کلمات سے بلائی کرنے کی یہ ہر بھی انجام کے لحاظ سے ہدیہ دینے کے برابر ہی ہے۔ لیکن چھ کلمات سے یاد کرے کہ اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ حیثیت کرنا اور تعریفوں کے پُلی باندھنا شروع کر دے۔ اس کا مقصد طریقہ بھی شریعت نے متعین فرما دیا ہے چنانچہ ایک و بیش میں آتا ہے کہ ”جس شخص پر کوئی احسان کیا گیا ہو اور وہ اپنے حسن کو بڑا نہ سمجھتا کہہ دے تو اس نے تمہیں دشنام کا زیادہ سے زیادہ حق دار کر دیا“ شریعت کا مقرر کیا ہوا طریقہ اُتہ و تشکر اسلامی نقطہ نظر سے اچھا اندر راہِ تہائی

مناسبت، جامعیت اور اعتدال رکھتا ہے۔ اس پر اضافہ کرنا جس طرح تعلق اور دو نکتہ کی دلیل ہے وہی طرح اس میں بھی کھل کر ناہتلائی پر اخلاقی اور کفرانِ نعمت ہے۔

ہر دے کو واپس لے لینا بنیائیت ہی ذیل اور کمزور حرکت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کسی چیز کو بہہ کر کے پھر دے واپس لے لینے سے پہلے دے کی مثال اس کتنے کی سی ہے جو تے کر کے اسے پھاٹے ہم دمسلمانوں کو ایسی بری حرکت دینا نہیں دیتی۔ یہ غور کرو کہ یہ مثال کس قدر سخی برحقیت ہے۔ جب ایک شخص اپنی مرضی سے اپنے دل کا ایک حصہ کسی کو بہہ کر دیتا ہے اور پھر اسے لوٹانا چاہتا ہے، تو آخر کو کسی چیز سے اس فعل پر آمادہ کر رہی ہے یا تو وہ انتہائی تنگنالی و خیریت ہوگا اور کسی اتفاقی جذبہ سے متاثر ہو کر ایک چیز بہہ کرنے کے بعد سے اپنی حرکت پر التماس آیا ہوگا اور اپنے دے واپس مانگ رہا ہے، یا اس شخص کو، جسے اس نے سب کیا تھا، تنگ کرنا اس کے نقصان پہنچانا مقصود ہوگا۔ ان دونوں وجوہات سے خود کو کافی وجہ بھی سو رہا کہ کامنٹ اور منسب پر اخلاقی اور غفلت ہی ہے۔ غلامِ ادیس معاشرتی مصالح کے حق میں ہر دینا اتنا مفید نہیں جتنا اس کا واپس لینا ان کے حق میں مضر ہے۔ اس سے اس شخص کے دل میں نفرت کی آگ بھڑکے بغیر

نہیں رہ سکتی۔ اسے اپنی سخت ہتک تصور کرے گا اور اس تصور سے اس کا مشغل ہو جائے گا کہ ہر قسم پر اڑنا یقینی ہے ماحمی اندیشہ اور خطرہ کی وجہ سے کسی شخص کے لئے۔ اگر اس کے کئی بیٹے ہوں۔ جائز نہیں کہ ایک لڑکے کو کوئی چیز یہ کرے اور دوسروں کو یونہی چھوڑ دے۔ اگر وہ ایسا کرتا ہے تو گویا اسکے بھائیوں کو باہم دشمن بناتا ہے۔

وصیت وصیت کا رواج ہر ملک اور ہر قوم میں رہا ہے۔ اہل اسلام کو بھی اس کی اجازت دی گئی ہے لیکن چند قانونی پابندیوں کے ساتھ۔

۱۔ ادا دی ایسے کسی وارث کے حق میں وصیت نہیں کر سکتا۔ حدیث میں آتا ہے کہ لا وصیۃ لوارث لا وارث کے لئے وصیت نہیں ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی اس کی علت بھی بیان فرمادی گئی ہے۔
 ۲۔ ان الله اعطى لكل ذی حق حصہ و کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر مقدار یعنی وارث کا حق خود ہی متعین کر دیا ہے، اہل جاہلیت وصیت کے ارے میں بڑی ہی الزم و تنزیہ سے کام لیتے تھے۔ وقتی جذبات سے مغلوب ہو کر فی اور مصلحت کا سررشتہ اتھ سے چھوڑ دیتے اور وقتی خفا یا کوس کے حق سے محروم کر کے لوگوں کے لئے سب مائل

وصیت کر جاتے اس کو کم بینی اور ناقص شناسی کا دور واز و بند کرنا
 ضروری تھا۔ پھر اس کی جگہ ایک تر سفا اور متوازن اور مصلح تمدن سے افق
 رہنمائی کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہو کر وصیت کا زیادہ مستحق بن کر
 کوٹھیر ایا جائے جو رجمی رشتہ رکھنے ہوں یا مقابلہ ان لوگوں کے جو شخص
 خارجی یا سبب کی وجہ سے قریب ہو گئے ہوں۔ لیکن جب قرآن نے
 میراث کے تفصیل اور متعین حکام نازل فرما دیئے اور ہر ایک وارث کا حصہ
 یہ کہہ کر متعین کر دیا کہ ”یہ اللہ تعالیٰ کی قائم کی ہوئی حدود ہیں ان میں کمی بیشی
 نہ ہونے پائے، اللہ نے میراث کی اس تقسیم میں معاشرت اور تمدن اور
 قرابت کے من مصلح اور حکم کو مرعی رکھا ہے ان کی کتبہ تک تمہاری
 نگاہیں نہیں پہنچ سکتیں۔“ تو پھر کسی وارث کے حق میں وصیت کا کوئی
 موقع ہی نہیں رہا اور نہ خدا کی حدود ٹوٹ کر رہیں گی۔ وَمَنْ يَتَعَدَّ
 حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْسِدُونَ نیز اس سے بھی
 عطر سے کہ وارثوں کے درمیان بغض اور عداوت کا ایک خونگ جذبہ
 پیدا ہو جائے گا کیونکہ ہر وارث چاہتا ہے کہ کچھ زیادہ سے زیادہ حصہ
 ملے۔ شریعت نے میراث کا قانون منضبط کر کے ان کی بنیاد مدام
 خواہشوں کے مفاسد کا سدھب کر دیا ہے۔ اب اگر کوئی شخص اپنے ایک
 خاص رشتہ دار کے حق میں وصیت کرتا ہے تو کوئی دوسرے وارث کو

اس کے خلاف نفرت اور بغض و حسد برپا ہوتا ہے۔

۱۲۔ دانشوروں کے لئے کم از کم دو تہائی بل پھر لازماً پوری ہے وصیت کرنے والے کو زیادہ سے زیادہ ہر مال کا ایک تہائی حصہ وصیت کے ذریعے سے غیروارثت کرو دینے کا حق دیا گیا ہے۔ مستحقین بالی و خاص نے ایک تہہ بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہیں وصیت بڑی دولت کا مالک ہوں، غرض ایک لاکھ سے جس کے علاوہ اور کوئی میراث نہیں، تو میں کس قدر ڈال کی وصیت کر سکتا ہوں؟ کیا تمام مال کی نصف کی یا ٹکٹ کی؟ حضرت صمیم نے فرمایا: ایک تہائی کی وصیت کر دو اور وہ بہت تمہارا اپنے وارث کو خوشحال چھوڑ جائے اس سے بہتر بے کلمہ نہیں اس حال میں پھر نوک و دو لوگوں چہرہ رسوں؟

۱۰۔ مال مزدک کے اصل وارث مسکین توفیقاً دار و خاں اس کے قریبی رشتہ دار ہیں، اگر وہ دوسروں کے لئے اپنے مال کی وصیت کر جاتا ہے تو اتنا بڑا کتنی بڑی حق تلفی ہوتی ہے اس کے علاوہ خود حکمت تمدن کا مقتضی ہے کہ مرنے کے بعد وصیت کا ترکہ وہی لوگ پائیں جو دنیا میں اس کے سب سے زیادہ قریب، سب سے زیادہ خیر سگال سب سے زیادہ ہمدرد اور مددگار تھے۔ اور ملن باتوں میں باپ بیٹے و عموں سے زور و رجا سے بڑھ کر اور کون ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اسی لئے قرآن میں آتا ہے کہ ”و“

اَللّٰهُ لَا يَنْصَحُكُمْ بَعْضُهُمْ اَدْنٰى بِبَعْضٍ فِى كِتَابِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ
 کُن سبب یعنی قانون میں رجمی رشتہ رکھنے والے ایک دوسرے کے زیادہ
 قریبی اور رجمانہ ہیں، اس لحاظ سے تو تمام ترکہ ور شریعی کو مل چاہئے۔ مگر
 مسلم حکمت کی نگاہ حقیقت میں وقتی اور عارضی مصالح کو بھی نظر میں نہیں
 کر سکتی تھی فرض کر دے کہ کسی کی تربیت میں کوئی ترقی ہو چکی ہے، یا کسی کے ایسے خوب
 رشتہ دار ہیں جنہیں از روئے قانون وراثت نہیں پہنچتی، کیا وجہ ہے
 کہ ان کی مدد کا دروازہ بند کر دیا جائے، اسی طرح اگر کوئی دولت مند آدمی
 اپنے چھوٹے ہوئے مال میں سے ایک حصہ رند عام کے کاموں میں
 صرف کرنا چاہتا ہو تو کہیں اس کو ایسے نیک کام سے روکا جائے! پس
 شریعت میں دو فرائض پہلوؤں کے درمیان پورا توازن قائم کیا گیا ہے۔ نہ
 جائز حق و راجحہ حق سے محروم کئے جا سکتے ہیں، اور نہ فضل و احسان
 ہی کا دروازہ بند ہوتا ہے۔

۳) وصیت کرنے والے کو چاہئے کہ آخری وقت کا انتظار نہ کرے
 بلکہ وصیت لکھ کر محفوظ کر دے۔ حدیث میں مذکور ہے کہ کسی مسلمان کے
 لئے مناسب نہیں کہ وہ ایک رات اس حال میں گزار دے کہ اس کے پاس
 کوئی ایسی چیز ہو جس کے بارے میں وہ وصیت اس نے لکھ نہ دی ہو، اس
 حکم کی وجہ بالکل حیا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ صبح تک وہ اس دنیا میں نہ رہے

وقف تبرعات ہی کی ایک قسم وقف بھی ہے۔ اب تک تعاون و
 تہذیب کی جتنی سہولتیں بیان ہو چکی ہیں وہ سب کی سب کسی نہ کسی شکل
 میں اس سلام بھی رائج تھیں۔ لیکن وقف کا طریقہ بالکل ماسدوم
 تھا۔ یہ شارع اسلام یا اسلام کا مخصوص باج تھا جسے جس کے اندر
 تمام معیشت و معاشرت کے ایسے مصلح پوشبہ ہیں جو دیگر
 تمام صدقات و تبرعات سے حاصل نہیں ہو سکتے۔ ایک شخص
 نور مکتا ہی بڑا خزانہ فقراء و مساکین کے لئے صدقہ کرے لیکن یہ
 ظہر ہے کہ ایک مدت مخصوص کے بعد وہ فرد ختم ہو جائے گا اور ان
 فقراء کے بعد جو حاجت مند ہوں گے وہ اس صدقہ عام سے کوئی حصہ
 نہ پاسکیں گے۔ اس مقاصد کے کمال حصول اور رزقہ خلق کی عمومیت
 کے لحاظ سے صدقہ کی اس شکل سے بہتر کوئی شکل نہیں ہو سکتی کہ کوئی
 مال یا جائیداد غریب و مساکین اور دیگر حاجت مندوں کے حق میں اس
 طور پر بخش دی جائے کہ اسل ہمیشہ اپنی حالت پر باقی رہے، اس میں
 سے کچھ بھی خرچ نہ ہو اور محض اس کے منافع سے حاجت مندوں
 کو سہمت روائی ہوتی رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس مختصر نے
 ان الفاظ میں وقف کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔
 ان شئت حبست اصلها اگر تم چاہو تو اس مال نہ ماندو

و تصدق تبحھا کی اصل روک لو اور اس کا ذیلی
اس کے منافع کا صدر ذکر دو۔

چنانچہ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کیا لو اس جائداد کو اس شرط پر وقف
کر دیا کہ نہ تو وہ بھی جائے گی نہ ہسب کی جائے گی نہ اس میں میراث جاتی
ہوگی، بلکہ محض اس کے منافع فقیروں، حاجت مند، قربت داروں
غلاموں، مسافروں اور یتیموں اور دیگر شرعی مزدوریات پر خرچ کئے
جائیں گے۔ اس کامتوں اگر حسب و مستور اس کی آمدنی میں سے خود
بھی کچھ اپنے لئے لے لیا کرے تو اس کے لئے جائز ہے۔

دین میں تحریف اور بدعت کے اسباب

دین میں تحریف اور بدعت کے اسباب

۱۱۱) قرأت مجید الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ
جو صاحب سیاست گریبی اللہ تبارک کی طرف سے دیسا دین لے کر آیا اور
جو تمام ادیان کا ناخبرچہ، اس کے لئے ناگزیر ہے کہ وہ اپنے دین کو فتنہ تحریف
کی دست بجزو سے محفوظ کر دے، کیونکہ اس کی علم اور ہرگز دعوت مختلف
استعداد و مختلف مزاج اور مختلف المرحل و متغیر صدر کھنے والی ماحول کو
پہنچے جھنڈے کے لئے جمع کرتی ہے۔

ایسا ہوا کرتا ہے کہ لوگ اپنی ہوا پختی یا اپنے پہلے غریب کی محبت
کی وجہ سے یا اصلاح شریعت کا کاس احاطہ کرنے والی فہم نارسا کے اشارہ پر
بہت سی مخصوص قبیلات شرع کو پس پشت ڈال دیتے ہیں اور کبھی اس میں
غیر شرعی تجلیات اور تعلیمات فہنس دیتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ساز و بی ساخت
اور درجہ بر جہر ہو جاتا ہے جیسا کہ بہت سے قدیم مذاہب کی تاریخ گواہ ہے
لیکن چونکہ اس فتنہ کے دروازے بے شمار اور ان کی تعداد غیر متعین ہے۔
اور سب کا استقصاء ممکن نہیں لہذا شایع کئے گئے مندرجہ تھا کہ اُمت کو
اجمالاً اسباب تحریف سے ڈرا کر متنبہ کر دے اور اس کے لئے چند ایسے اصولی

مسائل کو غور سے کرنے میں قیاس کتاب ہے کھوٹا کتاب اور تحریف کے نئے نئے ذرائع انسان میں نہیں راستوں سے ٹکسا کرتے ہیں اور ان راستوں کو بھی طبع بند کر دیتے اس شدید و انداز کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنی شخصیت میں ایسی چیزوں کو داخل کرے جو سچ شہداء اور باطل مذاہب کے چوں اور مشہور ترین دوسو مشائخ کے بالکل مخالف ہوں مثلاً ناز و غیور۔ تاکہ کوئی ظاہری تشابہ باقی نہ رہ جائے اور کسی پرانے مذہب کے مشائخ سے وابستگی کا امکان باقی نہ رہے۔

تحریف کے اسباب میں سے ایک تہذیب ہے یعنی احکام شریعہ **تہذیب** سے بے پرواہی۔ تہذیب کی حقیقت یہ ہے کہ اصل کے تربیت یافتہ عواموں کے بعد ایسے خلف پیدا ہوئے لگیں جو نازک مصالح کے کشمکش کی پیروی میں فرق چلے علم و عمل اور عقیدہ و عمل کے ذہنی و دینی کی شامت کا جہنم چھوڑ دیں اور امر و نہی اور نیک و بد کے فریضے سے کن نہ کش ہو جائیں۔ اور یہ بنیاد پرستی عام بیان انسانی کا درجہ ان مزاج شخصیت کے خلاف ہو جائے۔ پھر ایسے دوسرے خلف جنہیں جو شخصیت سے بے اعتنائی کے اس جوہر میں اور زیادہ آگے بڑھ جائیں یہاں تک کہ محمد وین کا اکثر حصہ قسب ختم ہو کر رہ جائے۔ پس تو اُمت کے ہر طبقہ کا تہذیب خوارک راہ و مشربت سے ہے۔

پھر جب اس کا صدور و نفاذ کا ہر قوم سے ہو تو پھر اس کی نظروں کا

کوئی خلیفہ نام نہیں ہی سبب سے حضرت قریحؑ میں اس وقت کی شریعتیں
برآمد چلی گئیں اور اس کے پہلے خط و قال کا سراغ لگا اور جو بالکل ہو گیا ہے
تو ان کے چند اسباب و ذرائع یہ ہیں ۔

۱۱) پہلا سر شہ قریح کا صاحب طریقت کی روایات کو خفایہ رکھ کر
ان کے مطابق چلے کر رہا ہے ۔

مذہب و ذریعہ ارشاد نبویؐ ہی فقہ سے باخبر کر رہا ہے ۔

تو پھر اس قریح نے وقت آئے وہاں ہے جب تمام دین و شرع کے ایک پتہ
انسان اپنے وقت پر ملے کر کے لاکھ اس زمانہ کو مضبوط کر دلوں میں ہیں چچ
کو جو پڑا ہی کو تمام جہاں میں ہے کہ اس پڑا ہی کو سول جہاں کے لئے کہ یہ
کی اس کی پڑا ہی چیز کی چیز کی چیز کی چیز ہے جس کو وہ کہہ کر کہہ کر کہہ کر
ایسی بات کو دوسری جگہوں پر لایا ۔

”مذہب دین کے سینوں سے ہم نہیں لے سکتے“
— ”اے ان کے لئے جائے سے علم لے جائے“ — یہاں تک
کہ جب کوئی نام دین سے ملے گا ۔

اس وقت لوگ جانیں کہ امام ہانگوں کی طرف رجوع کرتے تھے گے ان سے مسئلہ
پر بھیجے جاتے گا اور پھر یہی علم و میرت کے تفریق ہیں گے ۔ نو و گز رہیں گے ۔
ان سون کی گز ہی کے ختم میں شامل رہیں گے ۔

(۶) دوسرا سبب ایسی افراطی غاصدوں جو من گھڑت تصدیقات پر آمادہ کرتے ہیں، مثلاً جنس پرست، افراطی شوک کی طلب، رضا جبر کی وجہ سے انسان ان کی جہاد پرستیوں کے لئے کلام الہی کی غلط تائیدیں کر کے منہ چاڑھیا کرتا ہے آیت ذیل، ایسے ہی ایمان فروشوں کو مخاطب کرتی ہے۔
 ”جو لوگ اللہ کے مابین کے ہوئے احکام کو چھپاتے ہیں اور اس کے عوض حق کو سادھا و سادھ حاصل کرتے ہیں اور لوگ نہیں مگر اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں“ (ہجۃ - دیکھ ۱۲۱)

(۳) تیلوں کا تیسرا منبع منگرات اور فحاشیات کا است میں چھپیل ہونا اور وہی دیکھ ان پر جانوشی اختیار کر لینا ہے۔ اسی حالت کے متعلق قرآن کہتا ہے۔
 ”تمہارے پیٹے گھرنے والی قوم میں ایسے ادب پرست نہیں ہوں نہ ہونے والے ہوں
 کما حقہ انہی میں فسادیوں کو کھتے دے دیاں ایسے لوگ تھوڑے ہی انکو
 بت کم تھے جنہیں پہنے خطاب سے بچا لیا۔ رہے کلام رمانوں لوگ تو وہ
 اسی قدرت و نبی میں سرشار ہے جنہیں وہی لکھی اور لوگ کچھ تھے ہی بکڑے۔“
 (ہجۃ - دیکھ ۱۱۰)

یعنی اسرائیل کی مصیبت چکنی پر تعبیر کرتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں:
 ان کے خزانے میں بانیوں سے روکا لیکن وہ ڈوٹے۔ پر صبر۔
 ان کے خلق حق کو کھتے کیلئے ان کی جھڑپوں میں حقے بچے اور ان کے حق

مثال کے طور پر دونوں کے حکام کو ملے اور شامع نے جب نفس میرانی کو مغلوب کر دینے کے لئے دونوں دکنے کا حکم دیا اور اس میں مباشرت سے شریک نہ ہوا تو بعض لوگوں نے یہ کہہ کر میری کی ناجائز غلطی شروع کر دی کہ اس سے دونوں کا مقصد دوسری نفس کشی قوت ہو جاتا ہے۔ نیز دونوں کو اس لئے یہی کہہ کر دیا گیا، مباشرت ہے کیونکہ یہی مباشرت کا واسطہ ہے بلکہ خدا نے شہوت میں ایک طرح مباشرت کے شاہ ہے سوال پر صلح کر جب اس خیالات کی طرح پہنچی تو آپ نے ان کی غلطیوں کو نہ صلح کر کے فریاد کو اس قسم کا قیاس تحریر فرمایا ہے۔

تشداد | آخر میں بدعت کا تیسرا رد اذہ تشدد ہے یعنی اس سخت اور شاق عبادتوں کا اختیار کرنا جن کا شامع نے حکم نہیں دیا۔ مثلاً مسلسل روزے رکھنا ہر وقت نماز و مراقبہ میں مصروف رہنا، تجرؤ اختیار کرنا، سنن و اکواب کا واجب اور فرض کا کھانا، ترہم و ہتمام کرنا وغیرہ۔ چنانچہ جب عبد اللہ بن عمر اور عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہما نے ایسی ہی سخت دباہتوں کا اذہ کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں منع کرتے ہوئے فرمایا کہ جب کوئی شخص دین کے ساتھ سختی برتے گا اور اپنے نفس کو ناقابل برداشت عبادتوں میں جکڑ کر لگا تو وہ دین کی پہچانی سے عاجز ہو جائے گا۔

اس تشدد و حق کی اختیار کرنے والا جب کسی مرد کو کہہ دے کہ تم اللہ عزوجل سے بدعت ہے تو اس کے عقائد کیجئے گئے ہیں کہ بدعت سے مراد جنہیں ان کا امام بطور عبادت کے

سرا باجم دے رہے تھے شرعی احکام ہیں۔ اس طرح یہ تمام چیزیں جو دین خیال کی جانے لگتی ہیں۔ یورو اور عیسائی داہیوں کی ہیں وہ خطرناک سدوش تھی جس نے دین کو تباہ کر کے رکھ دیا۔

احسان اُتیسرا سبب احسان ہے یعنی ہمارے دینی س اکائی۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص شائع کے طریق تشریح پر نگاہ ڈال کر دیکھتا ہے کہ وہ پھر صحت اور حکمت کے لئے ایک مناسب مفقہ مقرر کرتا اور ہر ایک مقصد کے حصول کے لئے ایک سونوں قابل معین کرتا ہے لیکن چونکہ بعض نیکو و نیت کی حقیقت شناسی اور دوست سے قدرت نامورم جو تک ہے اور اسرار تشریف کے تمام پندوں کو نہیں دیکھ سکتا اس لئے وہ ایک آدمہ مصلحت کو اپنک کر اپنی قوم کے مطابق شریعت کی دفعات بدلنے لگتا ہے۔ یورو کی مثال تمنا کر سنانے ہے، انہوں نے خیال کیا کہ شائع نے سامعی سے روکنے کے لئے عوام کا حکم محض اس لئے دیا ہے کہ نہ نیا ہیں، امن قائم ہو، اور مصالحت و دوست رہیں پھر انہیں یہ نظر آیا کہ زانی کے لئے جو سزا تھے رجم شائع نے مقرر کر رکھی ہے اس سے کج کی اخذات اور عدالت قتل پیدا ہوتا ہے، جو بدترین فساد ہے، سو سوچ کر انہوں نے رجم کی سزا کو مجرم کا سہ کا کرنے اور کر کے اسے کی سزا سے بدل دیا، بہتر تھا، اور ایسا کیا بھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے اس فعل کو تحریف اور ترک، احکام الہی قرار دیا۔

ابن سیرین سے روایت ہے کہ :-

”سب سے پہلے ابیسی نے پیس کیا چنانچہ رومی کی پستل محض قیاس کے کرائی گام حشر نے کرت خَلَقَتْ فِیْ مِیْنِ نَّارٍ وَخَلَقَتْ فِیْ مِیْنِ جَلْدٍ فِیْہَا کُفْرًا“
”یہاں ابیسی نے قیاس کیا تھا اور وہ صحیح پہلے قیاس کو ناپ والا ہے :-
”لَمْ یُشْجِیْ سَ مَنْقُولٍ ہے کہ :-

”قسم علی کی جگہ نے قیاس سے کام لیا تو حدیث کو دہم اور دہم کو حدیث کے کچھ
حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ :-

”نہیں چیزیں قیاس سے نہ لیا جاتا ہے کی ایک عالم کی عرض :- ”سواء من کان قرآن
”خلاف فیہری مگر، ان کے حکم :-

”یہ تاہم باتیں اس قیاس کے متعلق ہیں جس کا سوچنے کا یہ وقت ہے :-
ہو بڑے محض دیکھ اور عقلی ہو :-

اتباع اجماع | فقہ قرینہ کا چھٹا ذریعہ اتباع اجماع ہے۔ اجماع سے مراد یہ ہے
کہ مابین شریعت کا ایک گروہ میں کی اصابت منے ہر عام لوگوں کو متفقہ ہو کر
چیز یا اتفاق کہے اور لوگ یکجہیں کو عروہ اتفاق ہی کیفیت شریعت کی مثبت ہوتا
ہے اس قسم کا اتباع اجماع اس وقت تقریب دین کے مترادف ہو جاتا ہے جب
اس اجماع کی اصل کتاب و سنت میں موجود نہ ہو اور یہ وہ اجماع نہیں ہے
جس کے تحت پہلے پائنت کا اتفاق ہے کیونکہ امت کا اتفاق تو اسی اجماع

حق کو بلکہ وفات وہ اس کے لئے روحیں مگر نے پڑا تھا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ”بنی اسرائیل پر ابداً وہ اعتدال قائم ہے۔ پہلی ٹلک کہ اسی میں ایسے لوگ پیدا ہوئے جو خالص ہدایتی نہ تھے۔ وہ آپ اسرائیلی اور ان دوسری قوم سے یعنی لوطی تھے۔ اسی لوگوں نے دین میں رائے کو دخل دیا۔ یہ لوگ کہ عہد گوارہ تھے اور ان کو بھی گمراہ کر دیا۔ چنانچہ عہد پہلے کے دین میں ہی آج بے شمار قوم اسی طرح کے داخل ہو چکے ہیں مثلاً اسرائیلی علوم خطباء، جاہلیت کے اقوال، یونان کا فلسفہ، ایران کی تاریخ، علم نجوم، دین اور علم کلام وغیرہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں جب توراۃ پڑھی گئی تو آپ بہت خفا ہوئے اس خطائی میں یہی داغ تھا۔ نیز کتاب و انبیاء کے طالب کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی وجہ سے سزا دی تھی۔

(ماخوذ از تہذیب اللہ البانی)

دربارِ رسولؐ کے فیصلے

جنور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں جو مقدمہ
دیوانی و فوجداری پیش ہوئے اُن کا ایک مجموعہ عربی زبان میں
”اقضية الرسولؐ“ کے نام سے لکھا گیا تھا اب اس کتاب کا اردو ترجمہ
ہم نے شائع کیا ہے۔

مسلمانوں کے لئے اس کتاب کا مطالعہ جس قدر ضروری ہے اس کا
اندازہ تھوڑے سے غور و فکر سے ہر شخص کر سکتا ہے اسلامی ذہنیت
کے تعمیر کرنے میں یہ کتاب بڑا حصہ لے سکتی ہے قیمت مجلد سنہری
ڈرائی چار روپے۔ کالی ڈرائی ساڑھے تین روپے

ملنے کا پتہ

میجر: اقبال اکیڈمی، نمبر ۵ الف سکرکروڈ۔
پیرل مین روڈ - لاہور

مولانا صدر الدین اہل حلی کی دوسری تالیفات

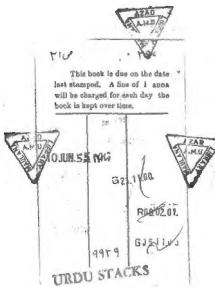
(۱) حقیقتِ اتفاق جس میں مذاہنوں کے خاصات و خصائص کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ اور ان سے اجتناب کی ہدایت پہنچوایا گیا ہے
قیمت ایک روپیہ آنے والے۔ محصول اک ۳۔

(۲) معرکہ اسلام و جاہلیت ۱۔ اسلام و جاہلیت کی کشمکش اور اس کے اثرات کا مفصل تذکرہ۔ بڑی توف اور ملیہ علماء کا ذخیرہ اور اسلامی جذبات کو بالکل کھٹے کا وسیلہ۔ قیمت ایک روپیہ آنے والے۔
محصول اک ۳۔

(۳) اسلام اور وطنیت۔ مغرب کے پیدا کردہ تخیل و فلسفیت کا مسئلہ نوں پائو اسلام اور وطنیت کا باہمی حرم و تعلق ہے اس کی وضاحت۔
وطنیت کے حق میں تمام کا نقطہ نظر مسائل معروفہ سیاست ایک مسلمان کا نظر
یہ قیمت ایک روپیہ آنے والے۔ محصول اک ۳۔

(۴) افاداتِ حافظِ امین قسیمؒ دین و سیاست کے اہم امور پر ان کا
کا تبصرہ کتاب مطالعہ کے لائق اور کتب اشاعت کے قابل ہے قیمت ایک
روپیہ آنے والے۔ محصول اک ۳۔

یہ مجوزہ:۔ اقبال لکھیٹی بی بیچو الف اسکول، ندوہ پور، بڑی لکھی دانہ لاہور



Date	No.	Date	No.
1.10.1999	9953	21.11.00	
		3950	
		808020	
		8482	
		605110	7389